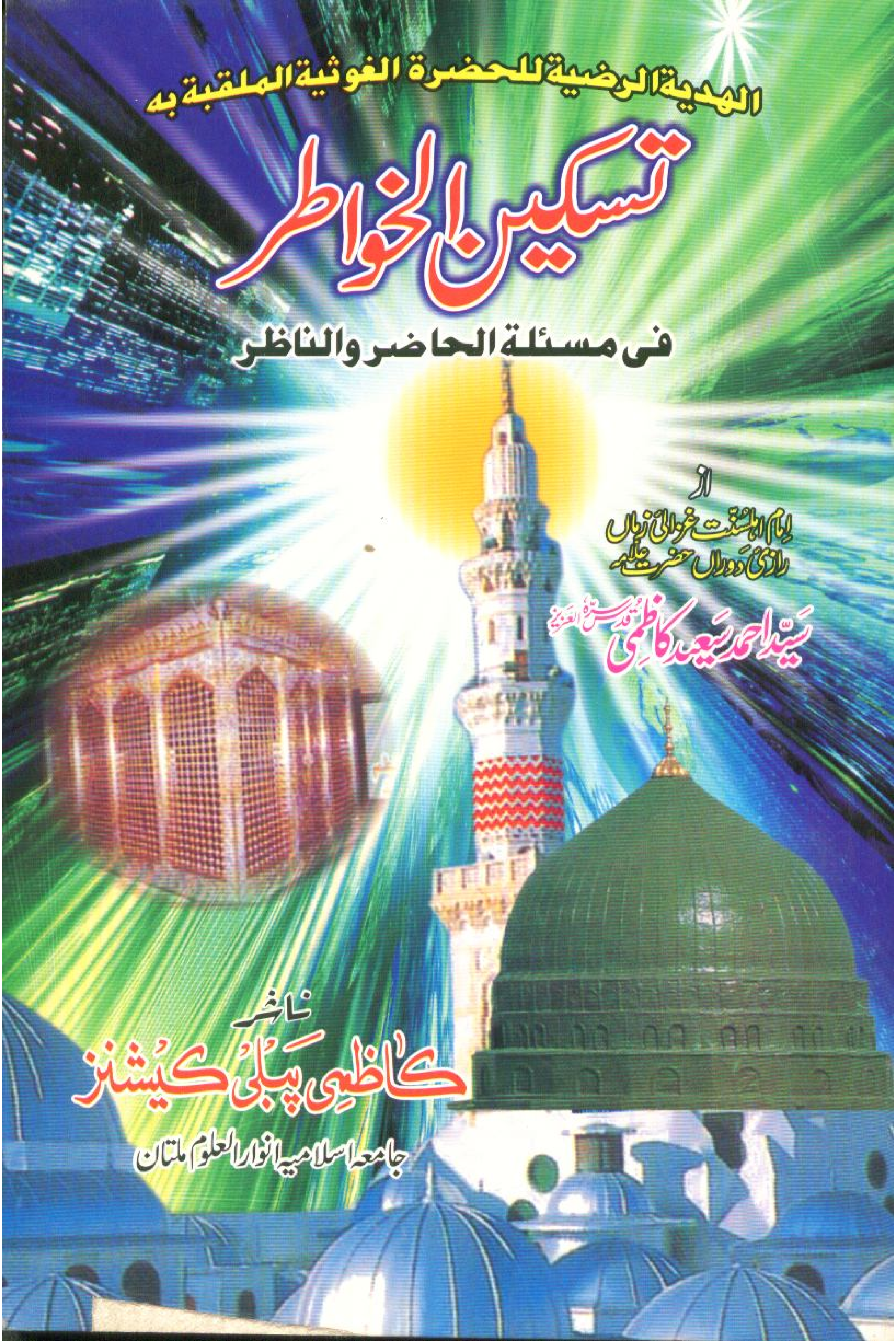

الهدية الرضية للحضرة الغوثية الملقبة به

تسکین الخواطر

فی مسئلة الحاضر والناظر

از

امام اہلسنت غزالی زماں
رازی دوراں حضرت علامہ

سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز

ناشر
کاظمی پبلی کیشنز
جامعہ اسلامیہ انوار العلوم ملتان

الهدیة الرضیة للحضرة الغوثیه الملقبة بہٖ

تسکین الخواطر

فی مسئلہ الحاضر والناظر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلاِھُدَاء

اس ناچیز کو سیدنا الغوث الاعظم حضور سید محی الدین عبد القادر الجیلانی الحسنی الحسینی ؓ کی بارگاہِ عظمت پناہ میں پیش کرنے کا شرف حاصل کرتا ہوں۔ جن کی روحانی امداد و اعانت سے مجھ جیسے ہیچمدان کو اس کی ترتیب و تدوین کی توفیق حاصل ہوئی۔ ع

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

سگِ درگاہِ جیلانی
فقیر سید احمد سعید کاظمی غفرلہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تسکین الخواطر

فی

مسئلة الحاضر و الناظر

لفظ حاضر و ناظر کے معنیٰ کی تحقیق

حاضر کا مادہ "حضر" اور ناظر کا مادہ "نظر" ہے۔ حضر سے "الحضور" مصدر بنا۔ جس سے حاضر مشتق ہوا۔ حضر، حضور اور حاضر کے بہت سے معنے کتب لغت میں مرقوم ہیں۔ مثلاً حضر کے معنی پہلو، نزدیکی، صحن، حاضر ہونے کی جگہ وغیرہ ہیں اور حاضر کے معنیٰ شہروں اور بستیوں میں رہنے والا، بڑا قبیلہ وغیرہ آتے ہیں۔ یہ تمام معانی منجد مختار الصحاح اور مجمع بحار الانوار وغیرہ کتابوں میں درج ہیں۔ (۱)

ان کے علاوہ جن معنے سے ہماری بحث خصوصیت کے ساتھ متعلق ہے، ان کی تفصیل یہ ہے۔ حضر، حضرة، حضور سب کے معنیٰ ہیں سامنے ہونا اور حاضر کے معنیٰ ہیں سامنے ہونے والا۔

جو چیز کھلم کھلا بے حجاب آنکھوں کے سامنے ہو اسے حاضر کہتے ہیں۔ منجد،

---

(۱) المنجد ص۱۳۴ الحضر ایضاً والحضرة خلاف الغیبة، الجنب، القرب، ایضاً مکان الحضور ذاته الحاضر ایضاً الحی العظیم. الحاضر (فا) ساکن الحضر خلاف البادی، مجمع بحار الانوار جلداول ص۲۷۵ الحاضر المقیم فی المدن والقری مختار الصحاح ص۱۵۹ (حاضر) بموضع کذا ای مقیم به.

صراح اور مختار الصحاح میں ہے کہ حضرۃ اور حضور غیبۃ کی ضد ہیں۔ (۱) اور لغتِ قرآن کی مشہور کتاب مفردات (۲) امام راغب اصفہانی میں یہ بھی لکھا ہے کہ جو چیز سامنے نہ ہو یعنی حواس سے دور آنکھوں سے پوشیدہ ہو اسے غائب اور غیب کہتے ہیں۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ حاضر غائب کی ضد ہے اور اس کے بعد یہ بھی معلوم ہو گیا کہ غائب اسے کہتے ہیں جو حواس سے دور ہو اور نگاہوں کے سامنے نہ ہو تو اب یہ بات ثابت ہو گئی کہ حاضر اسی کو کہا جائے گا جو حواس سے پوشیدہ نہ ہو اور کھلم کھلا بے حجاب آنکھوں کے سامنے موجود ہو۔

ہمارے اس روشن بیان سے ناظرین کرام نے اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا کہ لفظ حاضر اپنے حقیقی لغوی معنی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی شان کے ہرگز لائق نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ شہروں اور بستیوں میں رہنے اور قبیلہ ہونے سے پاک ہے۔ جتنے معانی لفظ

---

(۱) صراح ص۱۷۰ حضور حاضر شدن نقیض الغیبۃ (حضور کے معنیٰ حاضر ہونا غیبت کی نقیض ہے) مختار الصحاح ص۱۵۹ الحضور ضد الغیبۃ (حضور غیبت کی ضد ہے، یقال حضرت القاضی امرأۃ (کہا جاتا ہے عورت قاضی کے سامنے حاضر ہوئی۔)

(۲) مفرادت راغب مطبوعہ مصر ص۳۷۲، ۳۷۳ الغیب مصدر غابت الشمس وغیرھا اذا استترت عن العین یقال غاب عنی کذا قال اللہ تعالیٰ "اَمْ کَانَ مِنَ الْغَائِبِیْنَ" واستعمل فی کل غائبۃ عن الحاسۃ والغیب غابت الشمس کا مصدر ہے جب سورج وغیرہ آنکھ سے اوجھل ہو جائے یعنی نگاہوں کے سامنے نہ رہے تو محاوراتِ عرب میں "غابت الشمس" کہا جاتا ہے ایک محاورہ "غاب عنی کذا" بھی ہے (فلاں چیز مجھ سے غائب ہو گئی) قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا مقولہ ہے۔ مجھے کیا ہے؟ میں ہدہد کو نہیں دیکھتا "اَمْ کَانَ مِنَ الْغَائِبِیْنَ" کیا وہ غائب ہے؟ اہل علم غور فرمائیں کہ معانی منقولہ کے اعتبار سے کیا اللہ تعالیٰ پر لفظِ حاضر کا اطلاق ممکن ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیراً ۱۲ منہ

حاضر کے منقول ہوئے اللہ تعالیٰ ان سب سے منزّہ ومبرّا ہے۔ قرآن کریم شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ حواس اور نگاہوں کے ادراک سے بھی بلند وبالا ہے۔

دیکھئے قرآن مجید میں ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ○

ترجمہ: آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں وہ تمام آنکھوں کا ادراک فرماتا ہے اور وہ لطیف وخبیر ہے۔

حاضر کے بعد لفظ "ناظر" کے معنیٰ کی تحقیق سنیئے۔ مختار الصحاح (۱) میں ہے آنکھ کے ڈیلے کی سیاہی کو جس میں آنکھ کا تل ہوتا ہے، ناظر کہتے ہیں اور کبھی آنکھ کو ناظرہ کہا جاتا ہے۔

ناظر کا ماخذ نظر ہے۔ مفرداتِ راغب، مختار الصحاح، منجد اور صراح میں نظر کے حسب ذیل معنیٰ (۲) منقول ہیں۔

کسی امر میں تدبر اور تفکر کرنا، کسی چیز کا اندازہ کرنا، آنکھ کے ساتھ کسی چیز

---

(۱) مختار الصحاح ص۶۹۱ و الناظر فی المقلة السواد والاصغر الذی فیه انسان العین وقدیقال للعین الناظرة ۱۲

(۲) مفرداتِ راغب ص۵۱۷ النظر تقلیب البصر والبصیرة لا دراک الشی ورؤیته وقدیرادبه التامل والفحص و قدیر ادبه المعرفة الحاصلة بعد الفحص و هو الرؤیة مختار الصحاح ص۶۹۱ والنظر والنظران بفتحتین تامل الشیٔ بالعین منجد ص۸۹ نظر ینظر نظراً ومنظراً و منظرة و تنظاراً و نظرانا والیه ابصره و تامله بعینه، نظر نظراً فی الامر تدبره وفکر فیه یقدره ویقیه الشیٔ. صراح مطبوعہ مجیدی کانپور ص۲۱۴ نظر نظر ابفتحتین نظران نگریستن درچیزے بتامل یقال نظرت الی الشیٔ۱۲

میں غور و تامل کرنا اور کسی چیز کا ادراک کرنے یا اسے دیکھنے کی غرض سے بصر و بصیرت کو پھیرنا۔ اس کے علاوہ نظر سے کبھی تامل و تلاش کے معنی بھی مراد لئے جاتے ہیں اور کبھی اس سے وہ معرفت اور رویئت مراد ہوتی ہے جو تلاش کے بعد حاصل ہو۔

امام راغب اصفہانی (۱) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں کی طرف نظر فرمانے کے معنیٰ دیکھنا نہیں بلکہ صرف یہ معنیٰ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر احسان فرماتا ہے اور انہیں اپنی نعمتیں پہنچاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا

وَلَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ وَلَا یَنظُرُ اِلَیۡھِمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ط

ترجمہ: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کفار سے کلام نہ فرمائے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا۔

مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دِن کافروں پر اللہ تعالیٰ کا کوئی انعام و احسان نہ ہوگا۔

تفسیر روح المعانی (۲) میں اسی آیہ کریمہ کی تفسیر میں ہے "لَا یَنۡظُرُ اِلَیۡھِمۡ" کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ "کفار" پر مہربانی اور رحم نہیں فرمائے گا۔ اس کے بعد صاحب تفسیر (۳) فرماتے ہیں کہ جس کے حق میں لفظ "نظر" کا استعمال جائز نہیں (جیسا کہ اللہ تعالیٰ) اس کے لئے اگر یہ لفظ کبھی استعمال ہوا ہے تو وہ اپنے اصلی معنیٰ سے مجرد ہے اور صرف احسان کے معنیٰ میں ہے۔

---

(۱) مفردات امام راغب ص ۵۱۷ ونظر اللّٰہ تعالیٰ الی عبادہ وھو احسانہ الیھم وافاضتہ نعمہ علیھم قَالَ وَلَا یُکَلِّمُھُمُ اللّٰہُ وَلَا یُنظُرُ اِلَیۡھِمۡ یَوۡمَ الۡقِیَامَۃِ ۱۲۔

(۲) روح المعانی ص ۱۸۰ پ۳ تحت آیہ کریمہ۔ وَلَا یَنۡظُرُ اِلَیۡھِمۡ الآیۃ ای لا یعطف علیھم ولا یرحمھم ۱۲

(۳) ثم جاء فی من لا یجوز علیہ النظر مجرد المعنی الاحسان ۱۲

لغت حدیث کی مشہور کتاب مجمع بحار الانوار (۱) میں ہے کہ حدیث پاک "اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلیٰ صُوَرِکُمْ" الیٰ اخر الحدیث میں نظر کے معنی دیکھنا نہیں بلکہ یہاں پسندیدگی رحمت اور مہربانی مراد ہے۔ اس کے بعد صاحب بحار الانوار فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نظر کے یہ معنی ہیں کہ وہ اپنے بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیتا ہے اور ان کا محاسبہ فرماتا ہے۔

اس روشن اور مدلل بیان کو پڑھ کر ہمارے ناظرین کرام نے اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا کہ ان دونوں لفظوں کے اصلی اور حقیقی معنےٰ اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں بلکہ ان معانی سے اللہ تعالیٰ کا پاک ہونا یقینی امر ہے۔

اس کے بعد یہ حقیقت خود بخود واضح ہو جاتی ہے کہ جب حاضر و ناظر کے اصلی معنیٰ سے اللہ تعالیٰ کا پاک ہونا واجب ہے تو ان لفظوں کا اطلاق بغیر تاویل کے ذات باری تعالیٰ پر کیوں کر ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں حاضر و ناظر کوئی نام نہیں اور قرآن و حدیث میں کسی جگہ حاضر و ناظر کا لفظ ذات باری تعالیٰ کے لئے وارد نہیں ہوا نہ سلف صالحین نے اللہ تعالیٰ کے لئے یہ لفظ بولا۔ کوئی شخص قیامت تک ثابت نہیں کر سکتا کہ صحابہ کرام یا تابعین یا آئمہ مجتہدین نے کبھی اللہ تعالیٰ کے لئے حاضر و ناظر کا لفظ استعمال کیا ہو۔

اور اسی لئے متاخرین کے زمانہ میں بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہنا شروع کیا تو اس دور کے علماء نے اس پر انکار کیا بلکہ بعض علماء نے اس اطلاق کو کفر قرار دے دیا۔ بالآخر یہ مسئلہ (کہ اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہنا کفر ہے یا نہیں) جمہور علماء کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ چونکہ اس میں تاویل ہو سکتی

---

(۱) مجمع بحار الانوار، ج ۳ ص ۳۶۹، ان اللّٰہ تعالیٰ لا ینظر الیٰ صورکم الحدیث النظر ھنا الاختیار و الرحمة والعطف ۱۲، نظر اللّٰہ مجازاتہٗ و محاسبتہٗ

ہے اس لئے یہ اطلاق کفر نہیں اور تاویل یہ کی "حضور" کو مجازاً علم کے معنی میں لیا جائے اور "نظر" کے مجازی معنی رویئت مراد لے لئے جائیں۔ اس تاویل کے بعد جب اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہا جائے گا تو یہ اطلاق علیم و بصیر اور عالم من یریٰ کے معنیٰ میں ہوگا۔ ملاحظہ فرمایئے درمختار اور شامی (۱)

رہا یہ سوال کہ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ بعض علماء نے اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہنا کفر قرار دے دیا تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ صاحب درمختار کا "یا حاضر یا ناظر لیس بکفر" کہنا ہی اس امر کی روشن دلیل ہے کہ بعض علماء نے اس کو کفر کہا تھا ورنہ صاحب درمختار کا یہ قول بالکل لغو اور بے معنی قرار پائے گا کیوں کہ جب تک کوئی امر قابل انکار اور لائق تردید موجود نہ ہو اس وقت تک انکار اور تردید ممکن ہی نہیں! دیکھئے آج تک کسی نے یہ نہیں لکھا کہ اللہ تعالیٰ کو رحمٰن و رحیم کہنا کفر نہیں کیوں؟ محض اس لئے کہ کبھی کسی نے اللہ تعالیٰ کو رحمٰن و رحیم کہنا کفر قرار ہی نہیں دیا۔ معلوم ہوا کہ

---

(۱) شامی جلد ۳ ص ۳۳۷ (یا حاضر یا ناظر لیس بکفر) صاحبِ درمختار فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یا حاضر یا ناظر کہنا کفر نہیں، اس پر علامہ شامی رقمطراز ہیں قولہ لیس بکفر فان الحضور بمعنی العلم شائع "مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلَاثَۃٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ" والنظر بمعنی الرؤیۃ "اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی" فالمعنی یا عالم یا من یریٰ بزازیہ "لیس بکفر" کی وجہ یہ ہے کہ یا حاضر یا ناظر میں تاویل ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ "حضور" علم کے معنی میں عام طور پر مستعمل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلَاثَۃٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ" کوئی سرگوشی تین افراد کی نہیں ہوتی مگر اللہ تعالیٰ ان کا چوتھا ہوتا ہے معلوم ہوا کہ کوئی فرد علم الٰہی سے باہر نہیں ہے۔ اسی طرح یا حاضر یا عالم کے معنی میں ہو گیا اور نظر رویت کے معنی میں مستعمل ہے اور رویت اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہے۔ قرآن کریم میں ہے "اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی" لہٰذا یا حاضر یا ناظر یا عالم یا من یریٰ کے معنی میں ہوا۔ ۱۲ منہ

بعض علماء نے اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہنا اسی لئے کفر قرار دیا تھا کہ ان دونوں لفظوں کے لغوی معنیٰ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں لیکن جمہور علماء نے ان کو لغوی معنیٰ سے پھیر کر تاویل کر لی اور تاویل کے بعد حاضر و ناظر کے اطلاق کو اللہ تعالیٰ کے حق میں جائز رکھا۔ اس تحقیق سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ بغیر تاویل کے اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہنا قطعاً جائز نہیں۔

اس کے بعد یہ بات بڑی آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ جو لوگ رسول اکرم ﷺ کے حق میں حاضر و ناظر کے اطلاق کو کفر و شرک کہتے ہیں یا تو وہ حاضر و ناظر کے معنیٰ نہیں سمجھتے یا انہوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنے جیسا سمجھ لیا ہے کہ ایسے الفاظ کو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کرتے ہیں جن کے معنیٰ لغوی صرف بندوں کے لائق ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حق میں ان کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ فَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی۔

ممکن ہے اس مقام پر یہ اعتراض کیا جائے کہ فی زمانہ لفظ حاضر و ناظر، سمیع و بصیر اور علیم و خبیر یا بالفاظ دیگر ”عالم و من یریٰ“ (جاننے والا اور دیکھنے والا) کے معنیٰ میں اللہ تعالیٰ پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ اس لئے حضور کے حق میں اس کا استعمال انہی معنیٰ کا وہم پیدا کرے گا۔ لہٰذا حضور ﷺ کو حاضر و ناظر کہنا موہم شرک ہے۔

اس کے جواب میں اگرچہ اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ معترض کے ایہام شرک کی جڑیں ان ہی آیات قرآنیہ سے کٹ جاتی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو اپنے خاص ناموں مثلاً رؤف، رحیم، شہید وغیرہ سے موسوم کیا ہے۔ مگر مزید اطمینان کے لئے گزارش ہے کہ جس امر کو آپ ایہام شرک کی بنیاد قرار دے رہے ہیں بعینہٖ وہی امر قرآن مجید کی روشنی میں حضور سید عالم ﷺ کے لئے ثابت ہے۔ دیکھئے سمیع، بصیر، علیم، خبیر، عالم اور من یریٰ سب کا اطلاق حضور نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس پر قرآن مجید میں موجود ہے۔ آیہ کریمہ ”اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ“ پ۱۵ رکوع

نمبر ا میں حضور نبی کریم ﷺ کو سمیع و بصیر کہا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے قول ''فَاسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا'' پ۱۹ ع ۳ سے حضور ﷺ کا خبیر ہونا ثابت ہے اور ''وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ'' پ ع ۳ نیز (۱) ''فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ'' پ۱۳ ع ۳ میں حضور ﷺ کو علیم فرمایا گیا ہے۔

علیٰ ھٰذا القیاس آیہ کریمہ ''فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ'' میں یریٰ کا فاعل اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ دونوں ہیں یعنی اللہ تعالیٰ بھی لوگوں کے عمل دیکھتا ہے اور حضور ﷺ بھی دیکھتے ہیں۔

اب بتایئے کہ قرآن کریم کی روشنی میں نبی کریم ﷺ کی ذات مقدسہ پر سمیع و بصیر، علیم و خبیر اور ''عالم و من یریٰ'' کا اطلاق ثابت ہوا یا نہیں، اس کے بعد آپ کے ایہام شرک کی بنیادیں کہاں ہیں؟

شاید ہمارے ناظرین کرام کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہو کہ آیاتِ منقولہ کی تفسیر میں کسی مفسّر کا حوالہ نہیں دیا گیا تو اس کے متعلق عرض ہے کہ ان آیاتِ قرآنیہ سے حضور ﷺ کے حق میں اطلاقاتِ مذکورہ کے قول میں مجھے منفرد نہ سمجھئے بلکہ مندرجہ ذیل مفسرین کریم و علمائے اعلام اس قول میں میرے ساتھ ہیں

۱: علامہ اسماعیل حنفی آفندی حقی صاحب تفسیر روح البیان
۲: علامہ سید محمود الوسی حنفی بغدادی صاحب تفسیر روح المعانی
۳: علامہ ابوالبقاء
۴: علامہ حلبی
۵: علامہ طیبی
۶: علامہ سبکی

---

(۱) وقال ابن الفرجی العلوم یتقارب علی مقدار الطبائع و التعلیم الیٰ ان تریٰ من یتلقف العلم من الحق ورزق العلم اللدنی فذالک الذی لا عالم فوقه من الخلق (عرائس البیان مطبوعہ نول کشور لکھنؤ جلد اول ص ۴۳۵ ۱۲ منہ)

۷: شیخ اجل شاہ عبدالحق محدث دہلوی ۸: علامہ زرقانی

9: علامہ صاوی

اگر آپ کو یقین نہ ہو تو ان کی اصلی عبارات مع خلاصہ ملاحظہ فرمائیے۔

۱: تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیہ کریمہ ''اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ'' میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نبی کریم ﷺ وہ سمیع وبصیر ہیں جس کے متعلق حدیث قدسی میں وارد ہے کہ ''میں اس کی سمع ہو جاتا ہوں تو وہ مجھ سے سنتا ہے اور میں اس کی بصر ہو جاتا ہوں تو وہ مجھ سے دیکھتا ہے'' لہٰذا آیہ کریمہ کی تحقیق یہ ہوئی کہ ''ہم نے اپنے عبد مقدس کو اس لئے معراج کرائی کہ ہم اسے اپنی وہ نشانیاں دکھائیں جو ہمارے جلال و جمال کے ساتھ خاص ہیں'' بے شک وہی عبد مقدس (محمد مصطفیٰ ﷺ) ہماری سمع کے ساتھ سمیع اور ہماری بصر کے ساتھ بصیر ہیں۔ بیشک وہ ہمارا کلام ہماری سمع سے سنتے اور ہمارا جمال ہماری بصر سے دیکھتے ہیں۔ (۱)

۲: ''اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ'' کی ضمیر جب رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹائی جائے جیسا کہ ابوالبقاء نے بعض علماء سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ'' کے معنیٰ یہ ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمارا کلام سننے والے اور ہماری ذات کو دیکھنے والے ہیں۔ علامہ حلبی نے کہا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی طرف اس ضمیر کا راجع کرنا بعید نہیں۔ اس کے بعد صاحب روح المعانی فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کے غیر پر سمیع وبصیر کا اطلاق ممنوع نہیں۔ جیسا کہ بعض لوگ وہم کرتے ہیں۔ نہ اس آیت میں

---

(۱) روح البیان ص۱۰۶ فی التاویلات وفی قوله انه هو السميع البصير اشارة الى ان النبی ﷺ هو السميع الذی قال الله (كنت له سمعا فبی يسمع وبی يبصر) فتحقيقه لنريه من آياتنا المخصوصة بجمالنا وجلالنا انه هو السميع بسمعنا البصير ببصرنا فانه لا يسمع كلامنا الا بسمعنا ولا يبصر جمالنا الا ببصرنا ۱۲

ممنوع ہے نہ مطلقاً۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ آیۂ کریمہ "اِنَّـــهٗ هُـوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ" میں ایسی ضمیر کا لانا جو دونوں امور کا احتمال رکھتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے اور حضور نبی کریم ﷺ کی طرف بھی اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے کہ حضور ﷺ نے رب العزت کی ذات پاک کو دیکھا اور اس کے کلام مبارک کو اسی کے سمع مبارک سے سنا جیسا کہ ابھی ابھی حدیث قدسی "کُنْتُ لَهٗ سَمْعًا" میں اشارہ گزر چکا ہے۔ لہٰذا اس امر کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ (۱)

۳: بصیر (۲) علیم کے معنیٰ میں ہے۔ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے "اِنَّـــهٗ هُـوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ" کی تفسیر میں نقل فرمایا ہے کہ یہ ضمیر نبی کریم ﷺ کے لئے ہے اور ان دونوں صفتوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ کو موصوف کرنے کے یہ معنیٰ ہیں کہ حضور ﷺ سمع و بصر کی ان دونوں صفتوں میں کامل ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی ان

---

(۱) روح المعانی پ۱۵ص۳ اوامـا عـلـی تـقـديـر كـون الضمير للنبی ﷺ كـمـا نقله ابـو الـبـقـاء عن بـعـضـهـم وقال السميع لكلامنا البصير لذاتنا وقال الحلبی انه لا يبعد. اس کے بعد لکھتے ہیں ولا يمتنع اطلاق السميع والبصير علی غيره تعالیٰ كما توهم لا مطلقا ولا هنا. قال الطيبی ولعل السرفی مجئ الضمير محتملا للامرين الاشارة الی انه ﷺ انـمـا رأی رب الـعـــزة وسمع كلامه به سبحانه كما فی الحديث المشار اليه انفافهم تسمع وتبصر ۱۲

(۲) زرقانی شریف جلد۳ص۱۲۴ (البـصـيـر) ای العليم حكی السبكی فے تفسير انه هو السـمـيـع البصير ان الضمير للنبی ﷺ قال و مـعـنـی وصفه بهما انه الكامل فے السمع والبصر الذين يدرک بهما الآيات التی يريه اياها اس کے بعد فرماتے ہیں۔ فالاظهر ان الـمـعـنـیٰ السـمـيـع لكلام الله بلا واسطة البصير ای الناظر الی نور جماله بعين بصره وهذا مما اختص به انتہیٰ ۱۲۔

نشانیوں کا ادراک کیا جا سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کو دکھانا چاہتا ہے۔ لہٰذا آیہ کریمہ کے روشن معنیٰ یہ ہیں کہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے کلام کو بلا واسطہ سننے والے اور اس کے نورِ جمال کو اپنی عین بصر سے دیکھنے والے ہیں اور یہ وہ کمال ہے جس کے ساتھ حضور ﷺ مختص ہیں۔

۴: (۱) ''وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ'' یعنی نبی کریم ﷺ تمام چیزوں کو جاننے والے ہیں خواہ ذاتِ الٰہی کی شانیں ہوں یا احکام خداوندی ہوں یا اللہ تعالیٰ کی صفات اور افعال و آثار ہوں۔ حضور ﷺ نے تمام علوم ظاہر و باطن، اول و آخر کا احاطہ فرمایا ہے اور حضور ﷺ ''فَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ'' کا مصداق ہو گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی افضل ترین رحمتیں اور کامل ترین تحفے ان پر نازل ہوئے۔

۵: (۲) قولِ خداوندی ''فَاسْئَلْ بِهِ خَبِيرًا'' کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق کسی ایسی ہستی سے سوال کرو جو اس کی صفات کا عالم ہو۔ وہ تمہیں مخفی علوم سے خبردار کرے گا اور اختلاف مسائل کے اعتبار سے خبیر مختلف ہو جاتا ہے۔ اگر سائل نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوں تو خبیر اللہ تعالیٰ ہے اور اگر سائل حضور کے اصحابِ کرام ہوں

---

(۱) مدارج النبوۃ جلد اول مطبوعہ نول کشور ص ۳ ''وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ'' و وی ﷺ دانا است بر ہمہ چیز از شیونات ذاتِ الٰہی و احکام صفاتِ حق و اسماء و فعال و آثار و بجمیع علوم ظاہر و باطن اول و آخر احاطہ نمودہ و مصداق ''فوق کل ذی علم علیم'' شدہ ''علیہ من الصلوٰۃ افضلھا و من التحیات اتمھا و اکملھا'' ۱۲

(۲) صاوی جلد ۳ ص ۱۳۶ مطبوعہ مصر والمعنی فاسئل به خبيراً ای عالماً بصفاته يطلعك على ماخفى عليك والخبير يختلف باختلاف السائل فان كان السائل النبى عليه الصلوٰة والسلام فالخبير هو الله وان كان السائل اصحابه فالخبير النبى ﷺ وان كان السائل التابعين فالخبير الصحابة عن النبى عن الله ۱۲

تو خبیر خود نبی کریم ﷺ ہیں اور اگر سائل تابعین ہوں تو خبیر صحابہ کرام ہوں گے جو نبی ﷺ سے علم حاصل کر کے خبر دیں گے اور حضور ﷺ اللہ تعالیٰ سے علم لے کر خبیر ہوں گے۔

علاوہ ازیں یہ چاروں اسماءِ مبارکہ سمیع و بصیر، علیم و خبیر جن کو ایہامِ شرک کی بنیاد قرار دے رہے ہیں، حضور سید عالم ﷺ کے اسمائے مبارکہ میں شامل ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے!

مدارج النبوۃ (۱)، مواہب اللدنیہ (۲)، زرقانی شریف (۳)

حضور سید عالم ﷺ کی تو بڑی شان ہے۔ قرآن کریم کو ملاحظہ فرمائیے اس میں حضرت اسحاق علیہ السلام کو علیم فرمایا ہے۔ سورۂ ذاریات میں ہے ''وَبَشَّرُوْهُ بِغُلَامٍ عَلِيْمٍ'' (فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو غلام علیم (اسحاق علیہ السلام) کی بشارت دی) اور سنیے! قرآنِ کریم میں انسان کے متعلق فرمایا ''فَجَعَلْنَاهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا'' اس مقام پر یہ کہنا کہ یہ جعل کی قید سے مقید ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کے بنانے سے انسان سمیع و بصیر بنا) ہمارے لئے قطعاً مضر نہیں کیوں کہ ہم حضور ﷺ کو جعلِ خداوندی کے بغیر سمیع و بصیر نہیں مانتے لیکن قید جعل کا الفاظ میں ہونا ضروری نہیں۔ جیسا کہ آیت کریمہ ''اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ'' میں حسب تصریحات علمائے مفسرین حضور ﷺ سمیع و بصیر ہیں۔ مگر جعل یعنی بنانے کی قید الفاظ میں مذکور نہیں۔

---

(۱) مدارج النبوۃ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ جلد اول ص ۳۱۵ س ۱۴ البصیر س ۷ الخبیر س ۱۵، السمیع ص ۳۱۶ س ۵ العلیم.

(۲) مواہب اللدنیہ مطبوعہ مصر جلد اوّل ص ۱۸۲، س ۲۰ البصیر س ۲۵، الخبیر ص ۱۸۳ س ۵، السمیع س ۱۹، العلیم

(۳) زرقانی شریف مطبوعہ مصر جلد ثالث از ص ۱۲۴ تا ص ۱۳۸

حضور سید عالم ﷺ کے لئے جو لفظ حاضر و ناظر بولا جاتا ہے، اس کے معنیٰ بیان کرتے ہوئے بعض حضرات نے فرطِ عقیدت کی بنا پر تصرفات، استمداد اور علم غیب تینوں مسئلوں کو حاضر و ناظر کے مفہوم مین شامل کر دیا ہے اور اس طرح حاضر و ناظر کا مسئلہ مختلف مسائل کا ایک معجون مرکب بن کر رہ گیا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ بحث و مناظرہ کے وقت مدعی و مجیب کے لئے بیان دعویٰ میں مشکلات پیش آئیں اس لئے ضروری ہے کہ تفصیلات سے قبل نفس مسئلہ کے مفہوم کی وضاحت کر دی جائے

اس مقام پر سب سے پہلے یہ گزارش ہے کہ حضور ﷺ کے تصرفات اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے استمداد اور حضور کا عالم ما کان وما یکون ہونا تینوں باتیں اپنی جگہ حق اور عین صواب ہیں لیکن یہ تینوں مسئلے الگ الگ مستقل حیثیت رکھتے ہیں۔ حاضر و ناظر کے مفہوم میں داخل نہیں۔ اگر زندگی باقی رہی تو انشاء اللہ العزیز ان میں سے ہر مسئلہ پر علیحدہ رسالہ لکھا جائے گا اور بفضلہٖ تعالیٰ دلائل قاہرہ کی روشنی میں حضور ﷺ کے تصرفات اور حضور سے استمداد کے جواز اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے "عالم ما کان وما یکون" کے ثبوت پر کلام کیا جائے گا، جس کو پڑھ کر ہر اہل فہم پر حقانیت اور صداقت واضح ہو جائے گی لیکن سرِ دست چوں کہ اس ایک ہی مسئلہ کی وضاحت مقصود ہے اس لئے دوسرے مسائل سے علیحدہ رہتے ہوئے صرف حاضر و ناظر کے مفہوم کی توضیح کی جاتی ہے۔ خوب غور سے ملاحظہ فرمایئے:

حضور ﷺ کے لئے جو لفظ حاضر و ناظر بولا جاتا ہے، اس کے یہ معنے ہرگز نہیں کہ نبی کریم ﷺ کی بشریت مطہرہ ہر جگہ ہر ایک کے سامنے موجود ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح روح اپنے بدن کے ہر جزو میں موجود ہوتی ہے اسی طرح روحِ دو عالم ﷺ کی حقیقت منورہ ذراتِ عالم کے ہر ذرہ میں جاری و ساری ہے، جس کی بنا پر حضور ﷺ اپنی روحانیت اور نورانیت کے ساتھ بیک وقت متعدد

مقامات پر تشریف فرما ہوتے ہیں اور اہل اللہ اکثر و بیشتر بحالت بیداری اپنی جسمانی آنکھوں سے حضور کے جمالِ مبارک کا مشاہدہ کرتے ہیں اور حضور ﷺ بھی انہیں رحمت اور نظرِ عنایت سے مسرور و محظوظ فرماتے ہیں۔ گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنے غلاموں کے سامنے ہونا سرکار کے حاضر ہونے کے معنیٰ ہیں اور انہیں اپنی نظر مبارک سے دیکھنا حضور کے ناظر ہونے کا مفہوم ہے۔

سید عالم ﷺ کی قوتِ قدسیہ اور نورِ نبوت سے یہ امر بعید نہیں کہ آن واحد میں مشرق و مغرب، شمال و جنوب، تحت و فوق تمام جہات و امکنہ بعیدہ متعددہ لا تعد ولا تحصیٰ میں سرکار اپنے وجودِ مقدس بعینہٖ یا جسم اقدس مثالی کے ساتھ تشریف فرما ہو کر اپنے مقربین کو اپنے جمال کی زیارت اور نگاہ کرم کی رحمت و برکت سے سرفراز فرمائیں۔

حاضر و ناظر کے مسئلہ میں منکرین کی طرف سے عموماً یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حاضر و ناظر ہونا خاص صفت خداوندی ہے اور خدا کی کوئی صفت غیر خدا کے لئے ثابت کرنا شرک ہے۔ اس کے جواب میں گزارش ہے کہ مخالفین کا یہ اعتراض بہت پرانا اور بے حد فرسودہ ہے۔ صرف حاضر و ناظر کا مسئلہ نہیں بلکہ کمالات رسالت سے تعلق رکھنے والے تمام مسائل کا انکار اسی شرک کا سہارا لے کر کیا جاتا ہے۔ گویا الزام شرک کا یہ اعتراض ایک مغالطہ عامۃ الورود ہے جو ہر مقام اور ہر موقع پر بلا کسی تامل کے وارد کر دیا جاتا ہے۔

اس کے متعلق گزارش ہے کہ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی صفت کسی غیر کے لئے ثابت کرنا شرک ہے لیکن اس کے ساتھ اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ صفاتِ خداوندی مستقل اور بالذات ہوتی ہیں۔ خدا کی کوئی صفت عطائی اور غیر مستقل نہیں۔ بندوں کے لئے کسی مستقل بالذات صفت کا حصول قطعاً ناممکن اور

محال ہے۔

اس مقام پر یہ عرض کر دینا مناسب ہوگا کہ اس بحث میں صفاتِ خداوندی سے ہمارے نزدیک وہی صفات مراد ہیں جن کا ظہور بندوں میں دین متین اور عقل سلیم کی روشنی میں ممکن ہے ورنہ وجوبِ وجود اور غنائے ذاتی کا ظہور بندوں کے حق میں قطعاً محال ہے اس لئے ہمارا ایمان ہے کہ صفت الوہیت (جو غنائے ذاتی کو مستلزم ہے) کا ظہور غیر اللہ کے لئے محالِ عقلی اور ممتنع بالذات ہے اور جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو وصف الوہیت عطا فرما دیا ہے وہ مشرک اور ملحد ہے۔ مشرکین اور مومنین کے مابین بنیادی فرق یہی ہے کہ مشرکین غیر اللہ کے لئے عطائے الوہیت کے قائل تھے جس کی عطا عقلاً نقلاً و شرعاً محال ہے اور مومنین کسی مقرب سے مقرب ترین حتیٰ کہ حضور سید المرسلین ﷺ کے حق میں بھی الوہیت اور غنائے ذاتی کے قائل نہیں ہیں۔

یاد رکھئے! اللہ تعالیٰ جو کسی مخلوق کو کوئی کمال عطا فرماتا ہے تو اس کے متعلق صرف یہ اعتقاد مومن ہونے کے لئے کافی نہیں کہ یہ کمال اللہ کا دیا ہوا ہے۔ اتنی بات تو مشرکین بھی اپنے معبودوں کے حق میں تسلیم کرتے تھے بلکہ مومن ہونے کے لئے ضروری ہے کہ عطائے خداوندی کا عقیدہ رکھتے ہوئے یہ اعتقاد بھی رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کمال کسی مخلوق کو عطا فرمایا ہے وہ عطا کے بعد حکمِ خداوندی، ارادہ اور مشیت ایزدی کے ماتحت ہے۔ ہر آن خدا تعالیٰ کی مشیت اس کے ساتھ متعلق ہے اور اس بندے کا ایک آن کے لئے بھی خدا تعالیٰ سے بے نیاز اور مستغنی ہونا قطعاً محال اور ممتنع بالذات ہے۔

مختصر یہ کہ مخلوق کے ہر کمال اور بندے کی ہر صفت کے متعلق مومن کا یہی اعتقاد ہے کہ یہ کمال اور یہ خوبی اللہ کی دی ہوئی ہے اور یہ بندہ اپنے اس کمال و خوبی

میں علی الاطلاق مشیت جزئیہ کے ماتحت ہے اور کسی حال میں معبود حقیقی سے مستغنی اور بے نیاز نہیں۔

الحاصل بندے کو کسی امر میں اللہ تعالیٰ کی مشیت جزئیہ کے ماتحت نہ سمجھنا یا اس کو کسی حال میں کسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ سے مستغنی اور بے نیاز قرار دینا شرک جلی اور کفر خالص ہے اور اس کے برخلاف اعتقاد رکھنا عین ایمان ہے۔ استقلال اور عدم استقلال کے درمیان یہی فرق ہے جس کو ہم نے وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا اور یہ بیان ایسا ہے کہ جو حضرات اس بحث میں ہمارے مدمقابل سمجھے جاتے ہیں ان کے اکابر اور مُسلّم علماء بھی ہمارے ساتھ ہیں۔

البتہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ اپنے مقبول بندوں میں ایسی صفات کریمہ پیدا کر دے جن کو کمالاتِ خداوندی کی تجلی اور صفاتِ ایزدی کا ظہور کہا جا سکے۔ ایسی صفات کو صفاتِ خداوندی قرار دینا ابلہ فریبی ہے کیوں کہ خدائے قدوس کی کوئی صفت حادث اور غیر مستقل نہیں ہو سکتی اور اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں میں جو صفات تسلیم کی گئی ہیں وہ خلق خداوندی سے مانی گئی ہیں۔ جو چیز مخلوق اور حادث ہو اس میں استقلالِ ذاتی کا وصف کیوں کر پایا جا سکتا ہے۔ لہٰذا ان صفاتِ مخلوقہ کو صفاتِ خداوندی کہنا بندے کو خدا یا خدا کو بندہ بنانے کے مترادف ہے۔

مخلوق کا مظہر انوارِ الٰہی ہونا شرک نہیں بلکہ یہ ایسا مسئلہ ہے کہ جس کی حقیقت کو تسلیم کرنا فی الجملہ ضروریاتِ دین سے ہے۔ امکان شرک کا عقیدہ یقیناً کفر خالص ہے لیکن مخلوقات کا مظہر انوارِ الٰہی اور جلوہ گاہِ کمالات ایزدی ہونے کا انکار بھی کفر و الحاد سے کم نہیں۔

میرے نزدیک یہ امر بدیہیات سے ہے کہ عالم کے ذرے ذرے میں جو خوبی اور کمال موجود ہے درحقیقت وہ حسن و جمال الوہیت ہی کا ظہور ہے۔ قرآنِ کریم اور

احادیث صحیحہ کی روشنی میں یہ امر روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔ ملاحظہ فرمایئے

فَلَمَّا اَتٰاھَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِیٴِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَۃِ الْمُبَارَکَۃِ مِنَ الشَّجَرَۃِ اَنْ یّٰمُوْسٰیٓ اِنِّیٓ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ○

ترجمہ: ”پھر جب موسیٰ (علیہ السلام) اس آگ کے پاس تشریف لائے تو ان کو ایک درخت سے برکت والی جگہ میں میدان کے داہنے کنارے کی طرف سے آواز دی گئی کہ اے موسیٰ (علیہ السلام)! بے شک میں اللہ رب العلمین ہوں“۔

ظاہر ہے کہ نہ وادئ ایمن کا کوئی کنارہ خدا ہے نہ بقعۂ مبارکہ خدا ہوسکتا ہے، نہ درخت کو خدا کی ذات قرار دیا جاسکتا ہے نہ وہ آگ خدا کی ذات ہے جو اس درخت پر تیزی سے چمک رہی تھی۔ یہ سب چیزیں انوارِ الٰہی کے مظاہر ہیں نہ کہ عین ذاتِ خداوندی۔ دوسری جگہ سورۂ نمل میں یہ واقعہ ان الفاظ میں مذکور ہے۔

فَلَمَّا جَآئَھَا نُوْدِیَ اَنْۢ بُوْرِکَ مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَھَا وَسُبْحٰنَ اللّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

ترجمہ: ”پھر جب موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے پاس تشریف لائے تو ان کو آواز دی گئی کہ برکت والا ہے وہ جو آگ میں ہے اور جو اس کے آس پاس ہے اور اللہ رب العلمین کی ذات پاک ہے“۔

(۱) فیض الباری شرح صحیح بخاری میں انور شاہ صاحب کشمیری اس آیۂ کریمہ کے متعلق فرماتے ہیں ”پھر جب موسیٰ علیہ السلام آگ کے پاس آئے تو آپ

---

(۱) فیض الباری جز رابع ص۴۲۸/۴۲۹ (فَلَمَّا جَآءَ ھَا نُوْدِیَ اَنْ بُوْرِکَ مَنْ فِی النَّارِ) فالمرئی و المشاھد لم یکن الا النار دون الرب جل مجدہ ولکن اللّٰہ سبحانہ لما تجلی فیھا قال (یموسیٰ اِنِّیْ اَنَا اللّٰہ) ومارأیت لفظا موھماً (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

کو ندا کی گئی کہ برکت والا ہے جو آگ میں ہے۔ پس موسیٰ علیہ السلام نے صرف آگ کو دیکھا نہ کہ رب تعالیٰ جل مجدہٗ کو لیکن چوں کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں تجلی فرمائی تھی اس لئے فرمایا ''اے موسیٰ! بے شک میں اللہ ہوں'' میں نے تمام قرآن میں اس سے زیادہ وہم پیدا کرنے والا لفظ نہیں دیکھا۔ یہاں غور کیجئے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ''اِنِّیْ اَنَا اللّٰهُ'' کی آواز سنی۔ جس چیز سے وہ آواز آ رہی ہے وہ آگ ہے، اس کے باوجود بھی یہ بات صحیح رہی کہ ''بے شک میں اللہ ہوں''۔ دیکھنے میں درخت متکلم ہے۔ (جس پر آگ بھڑک رہی ہے) لیکن در حقیقت وہ کلام اللہ کی طرف منسوب ہے اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اس میں تجلی فرمائی تو وہ درخت معرفت الٰہیہ کے لئے وسیلہ ہو گیا اور متجلّی فیه (درخت) نے متجلّی بنفسہٖ رب تعالیٰ جل مجدہٗ کا حکم لے لیا۔ انتہیٰ

اب اگر کوئی شخص ''بُوْرِکَ مَنْ فِی النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' پڑھ کر یہ کہنے لگے کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ ''نار'' میں حلول فرما رہا ہے تو اس کے مشرک ہونے میں کوئی شک نہیں لیکن اس کے برخلاف یہ عقیدہ رکھنا کہ ''نَارِ وَمَنْ حَوْلَهَا'' مظاہر حق ہیں اور تجلیاتِ حضرتِ حق سبحانہ وتعالیٰ کی جلوہ گاہ ہیں، عین ایمان اور روحِ قرآن ہے۔ معلوم ہوا کہ مخلوق کا مظاہر حق ہونا قرآن کی روشنی میں یقینی طور پر ثابت ہے۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ملاحظہ فرمایئے۔ ابراہیم علیہ السلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) فی سائر القراٰن ازید من هذا فانظر فیه انه کیف سمع صوتا من النار ''اِنِّیْ اَنَا اللّٰه'' فهو نار ثم صح قوله ''اِنِّیْ اَنَا اللّٰه'' ایضا فالمتکلم فی المرئی کان هو الشجرة ثم اسند تکلمها الی الله تعالیٰ وذالک لان الرب جل مجده لا تجلی فیها صارت الواسطة لمعرفته ایاه هی الشجرة فاخذ المتجلی فیه حکم المتجلی بنفسه. اھ

عرض کرتے ہیں۔ "رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی" اے میرے رب! مجھے دکھا دے کہ تو مردوں کو کیسے جلاتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اَوَلَمْ تُؤْمِنْ" اے ابراہیم (علیہ السلام)! آپ کا اس بات پر ایمان نہیں؟ "قَالَ بَلٰی" ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کیوں نہیں۔ ضرور میرا ایمان ہے۔ "وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ" اور لیکن میں اس لئے سوال کر رہا ہوں کہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ چار پرندوں کو لے لیجئے اور ان کو اپنے ساتھ مانوس کر لیجئے پھر انہیں ذبح کر کے ہر پہاڑ پر ان میں سے ایک جزو رکھ دیجئے "ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَکَ سَعْیًا" پھر ان کو پکاریئے وہ آپ کے پاس دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابراہیم علیہ السلام نے حسب ارشادِ خداوندی چار پرندے لے کر انہیں ذبح کیا اور ان کے اجزاء کو مخلوط کر کے ہر پہاڑ پر ان کے ایک ایک جزو کو رکھ دیا اور اس کے بعد انہیں پکارا تو وہ چاروں کے چاروں پرندے زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے ان کے سامنے آ موجود ہوئے۔

ظاہر ہے کہ احیاء یعنی زندہ کرنا صرف اللہ تعالیٰ کی شان ہے اور سوال بھی اللہ تعالیٰ ہی کے احیاء کے متعلق تھا لیکن ان مردہ پرندوں کی زندگی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پکارنے پر ظہور پذیر ہوئی جو اس امر کی روشن دلیل ہے کہ صفت احیاء تو اللہ تعالیٰ ہی کی تھی لیکن اس کا ظہور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات اقدس میں ہوا۔ یہی ہمارا ایمان ہے کہ صفاتِ خداوندی کا ظہور مقربانِ بارگاہِ ایزدی میں علیٰ وجہ الکمال ہوا کرتا ہے۔ اگر بندے میں صفاتِ خداوندی کا ظہور ناممکن ہو تو "تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ" کے کیا معنی ہوں گے؟ ہر شخص جانتا ہے کہ اخلاقِ الٰہیہ کے جلووں سے متصف ہونا مطلوب عند الشرع ہے۔ اگر اس چیز کو شرک قرار دے دیا جائے تو کمال انسانی کا کون سا مقام باقی رہے گا۔ ایک صفت یا ایک سے زیادہ صفات کے ظہور میں کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا یعنی جس طرح خدا کی تمام صفات کا کسی بندے میں

مستقلاً پایا جانا ممتنع عقلی ہے بالکل اسی طرح کسی ایک صفت خداوندی کا بھی بندے میں بالاستقلال پایا جانا محال ہے۔

بندے کا مظہر صفات الوہیت ہونے کا یہی مطلب ہے کہ وہ انوارِ صفات سے منور ہو جائے نہ یہ کہ صفاتِ الٰہیہ عرض قائم بالغیر کی طرح اس کی ذات میں پائی جائیں۔ ایسا عقیدہ کتاب وسنت کے منافی اور صریح الحاد و بے دینی ہے۔ علامہ ابو الفضل شہاب الدین سید محمود الوسی حنفی بغدادی روح المعانی میں اسی مسئلہ میں ارباب ریاضت ومجاہدہ کا ذکر فرماتے ہوئے ایک طویل بیان میں ارشاد فرماتے ہیں کہ

> ’’جب طالب صادق محبوب کے راستے میں لذتیں اور راحتیں پانے کی وجہ سے شہواتِ نفسانیہ سے خالی ہو جاتا ہے اور اس کی زندگی اور اوقات ہر قسم کی کدورتوں سے پاک اور صاف ہو جاتے ہیں تو اس کا باطن روشن ہو جاتا ہے اور انوارِ غیب کی تجلیاں اس پر ظاہر ہوتی ہیں اور اس کے لئے ملکوت کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ جس سے اس کو بار بار نوری شعاعیں محسوس ہوتی ہیں اور وہ مثالی صورتوں میں امور غیبیہ کا مشاہدہ کرتا ہے پھر وہ جب ان امور میں سے کسی شے کا مزہ چکھتا ہے تو گوشہ نشینی، تنہائی، ذکر اور ہمیشہ پاک رہنا اور عبادت اور مراقبہ اور نفس کا محاسبہ اس کے لئے مرغوب ہو جاتا ہے اور وہ تمام حسی ملذذات سے اجتناب کرنے لگتا ہے اور اس کا دل ان کی محبت سے خالی ہو جاتا ہے اور پھر وہ اپنے باطن کے ساتھ حق تعالیٰ کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جاتا ہے تو اس کے لئے وجد وسکر اور شوق وعشق اور بے چینی کا ظہور ہونے لگتا ہے اور یہ چیزیں اس کو اس کے نفس سے فانی اور غافل کر دیتی ہیں پھر وہ پوشیدہ حقائق اور غیبی انوار کو

دیکھتا ہے تو وہ مشاہدہ، معائنہ اور مکاشفہ کے ساتھ متصف ہو جاتا ہے اور اس کے لئے انوار حقیقیہ ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ یہ انوار جو اس پر ظاہر ہوتے رہتے ہیں، کبھی پوشیدہ بھی ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ پختہ ہو کر اس دورنگی (ظہور و خفا) سے نجات پاتا ہے (اس پر ظہور ہی کا حال رہتا ہے) اور اس پر سکینتِ روحانیہ اور طمانیت الٰہیہ کا نزول ہوتا ہے اور ان احوال اور روشنیوں کا وارد ہونا اس کے لئے ملکہ بن جاتا ہے پھر وہ عوالم جبروت میں داخل ہو کر ان عقول مجردہ اور انوارِ قاہرہ کا مشاہدہ کرتا ہے جو نگہبانی کرنے والے ملائکہ مقربین سے ہیں اور ان کے انوار کے ساتھ متصف ہو جاتا ہے اس وقت اس کے لئے عظمت اور کبریاء الٰہیہ کی تجلیاں اور سلطانِ احدیت کے انوار ظاہر ہوتے ہیں تو وہ ھباءً منثوراً کر دیتے ہیں اور اس کی انانیت کے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے لئے گر کر تعین ذاتی میں گم ہو جاتا ہے اور اس کا وجود وجودِ الٰہی میں فنا ہو جاتا ہے۔ یہ مقام محو اور فنا کا مقام ہے اور وہ سالکین کے پہلے سفر کی منزل ہے۔"

پھر اگر وہ اسی محو و فنا کے حال میں رہا اور بقاء و صحو کی طرف نہ آیا تو عین جمع میں مستغرق ہو کر حق کے ساتھ (مشغول ہونے کی وجہ سے) تمام مخلوق سے محجوب ہو جاتا ہے اور اس کی نظر حق تعالیٰ جل شانہٗ کے مشاہدہ جمال سے نہیں چوکتی اور اس کی ذات اور جلال کے انوار کو وہ ہر وقت دیکھتا رہتا ہے۔ اس وقت کثرتِ شہودِ حق میں مضمحل ہو جاتی ہے اور تفصیل وجود باری کے سامنے روپوش ہو جاتی ہے اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اس کے اوپر ایک اور مرتبہ ہے جو سکر سے صحو اور فنا سے بقا کی طرف

آنے کے بعد ملتا ہے اور سالک عین جمع میں تفصیل کو دیکھتا ہے اور اس کا سینہ حق اور خلق دونوں کے لئے فراخ ہوجاتا ہے اور یہ دیکھنا ایسے طریقہ پر ہوتا ہے جس میں تکثر اور تجسم کو دخل نہیں ہوتا اور یہ ایسا طور ہے جو طورِ عقل سے وراء الوراء ہے۔

اور بعض عارفین کاملین کی عبارت میں واقع ہوا ہے کہ عارف کبھی حقیقت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے اخلاق کے ساتھ متخلق ہوجاتا ہے نہ بایں معنیٰ کہ اللہ کی صفات اس کے لئے ایک عرض ہوجائیں جو قائم بالنفس ہو۔ کیوں کہ یہ اس قبیل سے ہیں کہ جس کا کبھی تصور بھی نہیں ہوسکتا اور ایسی بات کہنا شریعت طریقت اور حقیقت سے نکل جانا ہے بلکہ یہ تخلیق ایک دوسرا علاقہ ہے جو صفات کونیہ بدنیہ کے علاقے سے بہت زیادہ کامل اور اکمل ہے جس کی حقیقت معلوم نہیں ہوسکتی۔ (۱)

بندے کا مظہر صفاتِ الٰہیہ ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا انکار قرآن و حدیث کی روشنی میں کسی طرح نہیں ہوسکتا جیسا کہ ہمارے بیانِ سابق سے ہمارے

---

(۱) روح المعانی پ۱۵ ص۱۴۶/۱۴۷ مطبوعہ مصر فاذا خلص منها وصفا وقته وطاب عيشه بما يجده فی طريق المحبوب يتنور باطنه وظهرله لوامع انوار الغيب و ينفتح له باب الملكوت وتلوح منه لوائح مرة بعد اخرىٰ فيشا هد امور اغيبية فی صور مثالية فاذا ذاق شيأ منها يرغب فی العزلة والخلوة والذكر والمواظبة على الطهارة والعبادة والمراقبة والمحاسبة ويعرض عن الملاذ الحسية كلها ويفرغ القلب عن محبتها فيتوجه باطنه الى الحق تعالىٰ بالكلية فيظهرله الوجد والسكر والشوق والعشق والهيجان ويجعله فانيا عن نفسه غافلا عنها فيشاهد الحقائق السرية والانوار الغيبية فيتحقق بالمشاهدة والمعانية والمكاشفة ويظهرله انوار حقيقية تارة و تختفی اخرىٰ حتى يتكمن ويتخلص من التلوين وينزل عليه السكينة الروحية والطمانية الالٰهية ويصير و رود هذا البوارق (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا۔ مزید وضاحت کے لئے ایک حدیثِ قدسی اور سن لیجئے جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور وہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں بھی موجود ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

> ”اللہ تعالیٰ نے (اپنے رسول اکرم ﷺ کی زبانِ اقدس پر) فرمایا کہ جس نے میرے ولی سے عداوت کی میں نے اس کو اعلانِ جنگ فرما دیا اور جن چیزوں کے ذریعہ بندہ مجھ سے قریب ہوتا ہے ان میں سب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) والاحوال له ملكة فيدخل فى عوالم الجبروت ويشاهد العقول المجردة والانوار القاهرة من الملئكة المقربين والمهيمين ويتحقق بانوارهم فيظهر له انور سلطان الاحدية وسواطع العظمة والكبرياء الالهية فتجعله هباء منثورا ويندك حينئذ جبال انية فيخر اللّٰه تعالىٰ خرور اويتلاشى فى التعين الذاتى ويضمحل وجوده فى الوجود الالهى وهذا مقام الفناء والمحو وهو غاية السفر الاول للسالكين فان بقى فى الفناء والمحو ولم يجئ الى البقاء والصحو صار مستغرقا فى عين الجمع محجوبا بالحق عن الخلق لا يزيغ بصره عن مشاهدة جماله عز شانه وانوار ذاته وجلاله فاضمحلت الكثرة فى شهوده واحتجب التفصيل عن وجوده وذالك هو الفوز العظيم وفوق ذالك مرتبة يرجع فيها الى الصحو بعد المحو وينظر الى التفصيل فى عين الجمع ويسع صدره الحق والخلق فيشاهد الخلق فى كل شئ بالحق على وجه لا يوجب التكثر والتجسم وهو طور وراء طور العقل ووقع فى عبارة بعضهم انه قد يصير العارف متخلقا باخلاق اللّٰه تعالىٰ بالحقيقة لا بمعنى صيرورة صفاته تعالىٰ عرضا قائما بالنفس فان هذا مما لا يتصور ابداً والقول به خروج عن الشريعة والطريقة والحقيقة بل بمعنىٰ علاقة اخرىٰ اتم من علاقتها مع الصفات الكونية والبدنية وغيرها لا تعلم حقيقتها ۱۲

سے زیادہ محبوب چیز میرے نزدیک فرائض ہیں اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میری طرف ہمیشہ نزدیکی حاصل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو جب میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے وہ کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی وہ آنکھیں ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے اور اس کے وہ ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ حملہ کرتا ہے اور اس کے وہ پاؤں ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے کچھ مانگتا ہے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگ کر کسی بری چیز سے بچنا چاہتا ہے تو میں اسے ضرور بچاتا ہوں"۔

الحدیث (۱)

اس حدیث کے معنیٰ بیان کرتے ہوئے یہ کہنا کہ اس کے معنیٰ صرف یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نزدیکی حاصل کرنے والے کے حواس کو اپنی پسندیدہ چیزوں کے لئے وسیلہ بنا دیتا ہے اور وہ بندہ اپنے کانوں سے کوئی ناجائز چیز نہیں سنتا اور اپنی آنکھوں سے خلاف حکم شرع کوئی چیز نہیں دیکھتا اور اپنے ہاتھوں اور پاؤں سے خلاف شرع کوئی کام نہیں کرتا، غلط اور حدیث شریف میں تحریف کرنے کے مترادف ہے۔ الفاظِ حدیث ان معنی کے متحمل نہیں کیوں کہ ان معنی کا ماحصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے نزدیکی

---

(۱) بخاری جلد ۲ ص ۹۶۳ مطبوعہ مجتبائی دہلی، مشکوٰۃ ص ۱۷۸ جلد ۱ کتاب الدعوات مطبوعہ مجیدی کانپور

عن ابی هریره قال قال رسول الله ﷺ ان اللّٰه تعالیٰ قال من عادیٰ لی ولیا فقد اٰذنته بالحرب وما تقرب الی عبدی بشیء احب الی مما افترضت علیه وما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببته فاذا احببته فکنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصربه ویده الحق یبطش بها ورجله التی یمشی بها وان سألنی لاعطینه ولئن استعاذنی لاعیذنه (الحدیث)

حاصل کرنے والا بندہ محبوب ہونے کے بعد اپنے کسی عضو یا حصہ سے کوئی گناہ نہیں کرتا اور وہ اپنے کان اور آنکھ وغیرہ سے جو کام کرتا ہے وہ سب جائز اور شرع کے مطابق ہوتے ہیں لیکن ان معنی کو جب الفاظِ حدیث پر پیش کیا جاتا ہے تو کوئی لفظ ان کی تائید نہیں کرتا۔ ایک معمولی سمجھ والا انسان بھی اس بات کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ گناہوں سے بچنے کا مرتبہ تو اسے محبوبیت سے پہلے ہی حاصل ہو گیا ہے۔ اب اگر محبوبیت کے بعد بھی وہ اسی مقام پر رہے تو یہ اس کے حق میں بلندیٔ مراتب ہوگی یا ترقی معکوس۔ اگر معصیتوں میں مبتلا ہونے کے باوجود بھی خدا کی محبوبیت کا مقام حاصل ہو سکتا ہے تو تقویٰ اور پرہیزگاری کی کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ نص قرآنی اس امر پر شاہد ہے کہ اتباع رسول ﷺ (تقویٰ اور پرہیزگاری) کے بعد ہی اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

حضور ﷺ کی اتباع یعنی تقویٰ اور پرہیزگاری کے بغیر مقامِ محبوبیت خداوندی کا حصول ناممکن ہے۔ ”كُنْتُ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ“ کا مرتبہ ”فَاِذَا اَحْبَبْتُ“ کے بعد ہے۔ جس کا مقتضی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اس بندے کی سمع اور بصر ہونا ”اتقاء عن المعاصی“ کے علاوہ اس سے بلند اور بالا مرتبہ ہے۔ جس کو گناہوں سے پاک ہونے کے بعد ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جو پرہیزگاری کا نتیجہ اور قربِ نوافل کا ثمرہ ہے۔

ہمارے مخالفین کے مستند اور مسلم محدث انور شاہ صاحب کشمیری فیض الباری شرح بخاری (۱) جزو رابع میں اسی حدیث کے تحت لکھتے ہیں

---

(۱) فیض الباری جز ۴ ص ۴۲۸ مطبوعہ ذابھیل سورت اما علماء الشریعة فقالوا معناه ان جوارح العبد تصیر تابعة لمرضاة الالٰهیة حتی لا تتحرک الا اعلیٰ ما یرضی به ربه فاذا كانت غایة سمعه وبصره وجوارحه كلها هو اللّٰه (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

''علمائے شریعت نے کہا ہے کہ اس حدیث کے یہ معنیٰ ہیں کہ بندے کے اعضاء جوارح رضائے الٰہی کے تابع ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ رضائے رب کے خلاف بالکل حرکت نہیں کرتے تو جب اس کے سمع و بصر اور تمام اعضاء جوارح کی غایت اللہ تعالیٰ ہو جائے تو اس وقت یہ کہنا صحیح ہو گا کہ وہ بندہ اللہ ہی کے لئے سنتا اور اس کے لئے بولتا ہے تو گویا اللہ تعالیٰ اس کی سمع و بصر ہو گیا۔ میں کہتا ہوں کہ حدیث کے یہ معنیٰ بیان کرحق کے الفاظ سے تجاوز اور کجروی ہے۔ اس لئے کہ بصیغہ متکلم اللہ تعالیٰ کا ''کُنْتُ سَمْعَهٗ'' فرمانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ عبد متقرب بالنوافل میں اس کے جسم اور صورت کے سوا کچھ باقی نہیں رہا اور اس میں صرف اللہ تعالیٰ ہی متصرف ہو گیا ہے اور فنا فی اللہ سے صوفیاء کی مراد بھی یہی ہے کہ بندہ اپنی خواہشاتِ نفس سے اس طرح خالی ہو جائے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی چیز تصرف کرنے والی (سننے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) سبحنه فحينئذ ان يقال عنه لا يسمع الا له و لا يتكلم الا له فكان الله سبحانه صار سمعه و بصره قلت وهذا عدول عن حق الالفاظ لان قوله كنت سمعه بصيغة المتكلم يدل علىٰ انه لم يبق من المتقرب بالنوافل الا جسده و شبهه وصار المتصرف فيه الحضرة الالٰهية فحبه وهو الذى عناه الصوفية بالفناء فى الله اى الانسلاخ عن دواعى نفسه حتىٰ لا يكون المتصرف فيه الا هو وفى الحديث علقه الىٰ وحدة الوجود كان مشائخنا مولعون بتلك المسئلة الىٰ زمن الشاه عبدالعزيز اما انا فلست بمتشدد فيها

ومن عجب انى احسن اليهم واسئل عنهم دائما وهم معى
وتبكيهم عينى وهم فى سوادها وتشتاقهم روحى وهم بين اضلعى

دیکھنے اور بولنے والی) باقی نہ رہے۔ اس حدیث میں وحدۃ الوجود کی چمک ہے اور مسئلہ وحدۃ الوجود میں، میں اتنا متشدد نہیں لیکن شاہ عبدالعزیز کے زمانہ تک ہمارے مشائخ اس میں نہایت متشدد اور حریص تھے۔

"بڑے تعجب کی بات ہے کہ میں ان کی محبت واشتیاق میں پگھلا جا رہا ہوں اور ہمیشہ ان کے متعلق سوال کرتا رہتا ہوں حالانکہ وہ میرے ساتھ ہیں اور میری آنکھیں ان کے لئے روتی رہتی ہیں حالانکہ وہ پتلی میں ہیں اور میری روح ان کے لئے مشتاق رہتی ہے اور وہ میرے پہلو میں ہیں"۔

بندے میں صفات خداوندی کے ظہور کا مرتبہ درحقیقت وہی مقام ہے جس کو قرآن وحدیث کی روشنی میں ہم بیان کرتے چلے آرہے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی صفت سمع اور بصر اور قدرت کے انوار بندے کی سمع، بصر اور قدرت میں ظاہر ہونے لگتے ہیں اور اس طرح یہ عبد متقرب بالنوافل صفات الٰہیہ کا مظہر بن جاتا ہے یعنی یہ بندہ اللہ کے نور سمع سے سنتا ہے اور اسی کے نور بصر سے دیکھتا ہے اور اسی کے نور قدرت سے تصرف کرتا ہے نہ خدا بندے میں حلول کرتا ہے نہ بندہ خدا ہو جاتا ہے بلکہ خدا کا یہ مقرب بندہ مظہر خدا ہو کر کمال انسانیت کے اس مقام پر فائز ہوتا ہے جس کے لئے اس کی تخلیق ہوئی تھی۔

اگر آپ غور فرمائیں تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ آیۂ کریمہ "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ" کے معنی یہی ہیں جن کا مصداق یہ عبد مقرب ہے عبادات کے معنی پامالی کے ہیں یعنی عبد مقرب اپنی انانیت اور صفات بشریت کو اپنے رب کی بارگاہ میں پامال یعنی ریاضت ومجاہدہ کے ذریعہ ان کو فنا کر دیتا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس بندے میں اس کے اپنے صفاتِ عبدیت کے بجائے صفاتِ حق متجلی ہوتی ہیں اور انوار صفاتِ الٰہیہ سے وہ بندہ منور و مستنیر ہو جاتا ہے۔

دیکھئے فیض الباری (۱) میں انور شاہ صاحب کشمیری اس مقام پر فرماتے ہیں۔

"جب درخت سے "اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ" کی آواز آسکتی ہے تو متقرب بالنوافل کا کیا حال ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی سمع وبصر نہ ہو سکے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے مقرب بندوں کی سمع وبصر ہو جانا ایسی صورت میں کیوں کر محال ہو سکتا ہے جب کہ وہ ابن آدم جو صورت رحمٰن پر پیدا کیا گیا شرف و کمال میں شجر موسیٰ علیہ السلام سے کسی طرح کم نہیں"۔

اور ملاحظہ فرمایئے: امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر کی پانچویں جلد (۲) میں فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کی زبان اقدس پر فرمایا

"میرا بندہ میری طرف کسی چیز کے ذریعہ وہ نزدیکی حاصل نہیں کرسکتا جو ادائے فرائض کے ذریعے حاصل کرتا ہے اور نوافل کے ذریعہ وہ ہمیشہ مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں۔ پھر جب وہ میرا محبوب ہو جاتا ہے تو میں اس کے کان اور آنکھ اور

---

(۱) فیض الباری شرح بخاری جز رابع ص ۴۲۹ فاذا صح للشجرة ان ینادی فیها بانی انا اللّٰه فما بال المتقرب بالنوافل ان لا یکون اللّٰه سمعه وبصره کیف وان ابن آدم الذی خلق علی سورة الرحمٰن لیس بأدون من شجرة موسیٰ علیہ السلام ۱۲

(۲) تفسیر کبیر علامہ فخر الدین رازی جلد ۵ ص ۶۸۷ مطبوعہ مصر قال النبی ﷺ حکایة من رب العزة ماتقرب عبدا الی بمثل اداء ما افترضت علیه ولا یزال یتقرب الی بالنوافل حتی احبه فاذا احببته کنت له سمعاً وبصراً ولساناً وقلباً ویداً ورجالاً بی یسمع وبی یبصر وبی ینطق وبی یمشی وهذا الخبر یدل علی انه لم یبق فی سمعهم نصیب لغیر اللّٰه ولا فی بصرهم ولا فی سائر اعضائهم اذلوبقی هناک نصیب لغیر اللّٰه تعالیٰ لما قال انا سمعه وبصره انتهی ۱۲

زبان اور دل اور ہاتھ اور پاؤں ہو جاتا ہوں۔ وہ مجھ سے سنتا ہے، مجھ سے دیکھتا ہے، مجھ سے بولتا ہے اور مجھ سے چلتا ہے۔ اور یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان بندگان مقربین بارگاہِ ایزدی کی آنکھوں، کانوں بلکہ تمام اعضاء میں غیر اللہ کے لئے کوئی حصہ باقی نہ رہا۔ اس لئے اگر یہاں اللہ تعالیٰ کے غیر کے لئے کوئی حصہ باقی رہا ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ کبھی نہ فرماتا کہ میں اس کی سمع اور بصر ہو جاتا ہوں''۔

یہی امام رازی تفسیر کبیر کی اسی پانچویں جلد میں عبارتِ مسطورہ بالا کے بعد رقمطراز ہیں۔

''اور اسی لئے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! میں نے خیبر کا دروازہ جسمانی قوت سے نہیں اکھاڑا بلکہ ربانی قوت سے اکھاڑا تھا اور اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس وقت حضرت علی کی نظر عالم اجساد سے منقطع ہو چکی تھی اور ملکی قوتوں نے حضرت علی کو عالم کبریا کے نور سے چمکا دیا تھا، جس کی وجہ سے ان کی روح قوی ہو کر ارواحِ ملکیہ کے جواہر سے مشابہ ہو گئی تھی اور اس میں عالم قدس وعظمت کے انوار چمکنے لگے تھے۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں وہ قدرت حاصل ہو گئی جو ان کے غیر کو حاصل نہ تھی اور اسی طرح جب کوئی بندہ نیکیوں پر ہمیشگی اختیار کرتا ہے تو اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ''کُنْتُ لَهُ سَمْعًا وَّبَصَرًا'' فرمایا ہے۔ جب اللہ کے جلال کا نور اس کی سمع ہو جاتا ہے تو وہ دور و نزدیک آوازوں کو سن لیتا ہے اور جب یہی نور اس کی بصر ہو گیا تو وہ دور و نزدیک کی چیزوں کو دیکھ لیتا ہے اور جب یہی نور جلال اس کا ہاتھ ہو گیا تو یہ بندہ مشکل اور آسان، دور اور قریب کی چیزوں میں

تصرف کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔ (۱)

علامہ ابوالفضل (۲) شہاب الدین سید محمود الوسی حنفی بغدادی روح المعانی میں فرماتے ہیں۔

"عارفین نے ذکر کیا ہے کہ قوم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ میں، اللہ کے لئے، اللہ کے ساتھ، اللہ سے سنتے ہیں اور وہ سمع انسانی کے ساتھ نہیں بلکہ سمع ربانی کے ساتھ سنتے ہیں جیسا کہ حدیث قدسی "کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ" میں وارد ہے۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ الیواقیت والجواہر جلد اول میں فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی کہ جب وہ کسی بندے کو محبوب بنالیتا ہے

---

(۱) تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۶۸۸ مطبوعہ مصر ولهذا قال علی بن ابی طالب کرم اللّٰه وجهه واللّٰه ماقلعت باب خیبر بقوة جسد انية ولکن بقوة ربانية وذلک لان علیاً کرم اللّٰه وجهه فی ذلک الوقت انقطع نظره عن عالم الاجساد واشرقت الملائکة بانوار عالم الکبریاء فتقوی روحه وتشبه بجواهر الارواح الملکية وتلألأت فيه اضواء عالم القدس والعظمة فلا جرم حصل له من القدرة ماقدر بها علی مالم یقدر علیه غیره وکذالک العبد اذا واظب علی الطاعات بلغ الی المقام الذی یقول اللّٰه کنت له سمعاً و بصراً فاذا صار نور جلال اللّٰه سمعاله سمع القریب والبعید واذا صار ذلک النور بصرا له رای القریب والبعید واذا صار ذالک النور یدا له قدر علی التصرف فی الصعب والسهل والبعید والقریب انتہیٰ ۱۲

(۲) روح المعانی پ۲۱ ص۱۰۲ اوذکروا ان من القوم من یسمع فی اللّٰه ولله وباللّٰه ومن اللّٰه جل وعلیٰ ولا یسمع بالسمع الانسانی بل یسمع بالسمع الربانی کما فی الحدیث کنت سمعه الذی یسمع به انتهیٰ ۱۲

تو وہ اس کی سمع اور بصر ہو جاتا ہے (الحدیث) وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی صفت سمع و بصر کا مظہر بن جاتا ہے۔ اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کو جنہیں وہ چاہتا ہے ان میں اپنی کل (۱) صفات جمع کر دیتا ہے اور کبھی بعض صفات عطا فرماتا ہے اور درجہ بدرجہ تھوڑی تھوڑی صفات عطا فرماتا رہتا ہے۔ (۲)

انفاسِ رحیمیہ (۳) مکتوبات شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ والد ماجد شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی میں ہے۔

"اور رحمت کاملہ نازل ہو اس ذات پاک پر جو اللہ تعالیٰ کے مظہر اتم و اکمل ہیں اور اس کے حسن و جمال کی حسین و جمیل جلوہ گاہ ہیں جن کا نام پاک محمد مصطفےٰ ﷺ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ سب سے زیادہ واصل ہیں"۔

نیز اسی کتاب (۴) میں ہے

"اور بہترین تحفے اس کے حبیب پر جو اللہ تعالیٰ کے جمال و کمال کا آئینہ ہیں اور اس کے خزائن بخشش کی کنجی ہیں"۔

---

(۱) لفظ کل سے وہ کل صفات مراد ہیں جن کا مظہر ہونا بندہ کے حق میں شرعاً و عقلاً ممکن ہے۔ ۱۲

(۲) الیواقیت والجواہر مطبوعہ مصر جلد اول ۱۲۵ و قد اخبر الحق تعالیٰ انہ اذا احب عبداً کان سمعہ و بصرہ الحدیث لکن قد یجمع اللہ تعالیٰ لمن شاء فی ھذا المقام الصفات کلھا و قد یعطیہ بعض الصفات علی التدریج شیئا بعد شیء ۱۲

(۳) انفاس رحیمیہ مکتوبات شاہ عبدالرحیم ص ۱۸ و الصلوٰۃ علی المظھر الاتم الاکمل مجلاہ الاحسن والاجمل محمد الاوصل ۱۲

(۴) انفاس رحیمیہ ص ۲۱ و تحیاتِ زاکیات بر حبیب او کہ آئینہ جمال و کمال اوست تعالیٰ شانہ و مفتاح خزائن جود اوست عم احسانہ ۱۲

مظہر صفاتِ باری تعالیٰ کو شرک کہنے والے ذرا آنکھیں کھول کر ان جلیل القدر آئمہ دین، علمائے اعلام، محدثین ومفسرین اور علمائے عارفین کی عباراتِ جلیلہ کو پڑھیں اور سوچیں کہ ان کے مصنوعی شرک کی زد میں کیسی کیسی مقدس ہستیاں آتی ہیں۔

ہمارے مخالفین کہتے ہیں کہ مشرکین اپنے تلبیۂ حج میں کہا کرتے تھے لَا شَرِیکَ لَکَ لَبَّیکَ اِلَّا شَرِیکًا تَمْلِکُہٗ وَمَا مَلَکَ یعنی ”اے اللہ! تیرا کوئی شریک نہیں لیکن وہ شریک جس کا تو مالک ہے اور وہ تیرا مالک نہیں“۔ یہ کلام اس دعویٰ کی واضح دلیل ہے کہ مشرک ہونے کے لئے غیر اللہ کو متصرف بالاستقلال ماننا ضروری نہیں بلکہ محض تملیک اور عطائے کمالات کا اعتقاد بھی مشرک بنا دیتا ہے۔ نیز یہ کہ مشرکین مکہ اپنے بتوں کے حق میں تصرف بالاستقلال کے قائل نہ تھے کیوں کہ استقلالِ ذاتی اور مملوکیت میں منافات ہے۔

جواباً عرض ہے کہ مخالفین کا یہ استدلال بھی عجیب مضحکہ خیز ہے کہ وہ شریک یعنی اثباتِ توحید میں مشرکین کے کلام سے دلیل لاتے ہیں اور اتنا نہیں سمجھتے کہ مشرکین کا شرک، قدرت وتصرف ہی میں منحصر نہ تھا بلکہ وہ استحقاقِ عبادت میں بھی غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ان کا مقولہ مذکور ہے۔ ”مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی۔“ یہ آیت اس مفہوم میں بالکل صریح ہے کہ مشرکین مکہ بتوں کی عبادت کرتے تھے خواہ ان کی عبادت کا مقصد کچھ ہو مگر ان کا اپنے بتوں کی عبادت کرنا بہر حال ثابت ہے۔ معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ استحقاق عبادت میں غیر اللہ کو شریک مان کر ”اِلَّا شَرِیکًا“ بولا کرتے تھے اور ان کا مشرک ہونا عطاء اوصاف کے اعتقاد کی وجہ سے نہیں بلکہ غیر اللہ کو مستحق عبادت سمجھنے کی بناء پر تھا۔ لہٰذا محض تملیک اور عطائے کمالات کے عقیدے پر مشرک ہونے کا دعویٰ کلام مشرکین سے بھی ثابت نہ ہوا۔

مخالفین کے استدلال کا دوسرا پہلو بھی انتہائی لغو ہے۔ کیوں کہ مشرکین سے ان کے معبودوں کے حق میں تصرف بالاستقلال کی نفی مملوکیت اور تصرف بالاستقلال میں منافات پر مبنی ہے حالانکہ مشرکین کے جاہلانہ نظریے کے مطابق ان دونوں کے درمیان کوئی منافات نہیں اس لئے کہ جب ان کے نزدیک ایک مملوک معبود ہوسکتا ہے تو متصرف بالاستقلال کیوں نہیں ہوسکتا؟

اگر اس منافات کی وجہ سے مشرکین کے اعتقاد استقلال بالتصرف کی نفی کر دی جائے تو ان سے بتوں کی عبادت کی بھی نفی کرنی پڑے گی۔ کیوں کہ جس طرح مملوکیت اور تصرف بالاستقلال میں منافات ہے بالکل اسی طرح مملوکیت اور معبودیت میں بھی منافات ہے۔ پس اگر اعتقاد مملوکیت کے ساتھ مشرکین کے ناپاک دلوں میں معبودیت کا عقیدہ جمع ہوسکتا ہے تو مملوکیت کے عقیدہ کے ساتھ تصرف بالاستقلال کا اعتقاد بھی پایا جاسکتا ہے۔ لہٰذا یہ پہلو بھی "هَبَاءً مَّنْثُوْرًا" ہوگیا اور مشرکین مکہ کے قول سے استدلال کر کے ہمارے مخالفین نے جو استعانت بالمشرکین کی تھی اس سے بھی مقصد برآری نہ ہوئی۔ **وللّٰہ الحمد**

شرک کی بحث میں مخالفین کی کجروی

بیانِ شرک کے مسئلہ میں ہمارے مخالفین کی کجروی قابلِ ملاحظہ ہے کہ حضراتِ انبیاء کرام علیہم السلام و اولیائے عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لئے عطائی علوم غیبیہ ماننے کو بھی شرک قرار دے دیا۔ اسی طرح نفع و ضرر کے اختیارات عطائے الٰہی سے کسی مخلوق کے لئے تسلیم کرنے کو بھی شرک صریح لکھ دیا اور بزرگانِ دین سے غائبانہ طور پر مافوق الاسباب امور مین عطائے الٰہی کا اعتقاد رکھتے ہوئے مدد

طلب کرنے کو بھی شرک خالص بنا دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ جو شخص انبیائے کرام علیہم السلام کے علم غیب عطائی کو علم الٰہی کے مساوی نہ مانتا ہو وہ بھی مخالفین کے نزدیک کافر و مشرک ہے۔

اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ انبیاء و اولیاء علیہم السلام زمین و آسمان کے غیب یا ہمارے اعمال و افعال کا علم ہر وقت تو نہیں رکھتے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ طاقت دی ہوئی ہے کہ جس وقت جس چیز کو چاہیں جان لیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے طاقت دی ہوئی ہے کہ جب چاہیں آنکھیں کھول کر دیکھ لیں۔ جب چاہیں بند کر لیں تو مخالفین کے نزدیک یہ بھی کفر و شرک ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر مخالفین نے اپنی کتابوں میں صاف لکھ دیا کہ اگر انبیائے کرام و اولیائے عظام علیہم السلام کے لئے کوئی شخص عطائی علم و قدرت بھی نہ مانتا ہو بلکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں صرف شفاعت کرنے والا یعنی سفارشی سمجھتا ہو وہ بھی قطعاً کافر و مشرک ہے۔

اس بیان کے تمام اجزاء مذکورہ بالا کی دلیلیں مخالفین نے اپنی کتابوں میں حسب ذیل تفصیل کے ساتھ تحریر کی ہیں۔

۱: چونکہ مشرکین مکہ اپنے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کا مملوک اور متصرف بالعرض مانتے تھے لہٰذا ثابت ہوا کہ کسی نبی و ولی کو متصرف بالعرض بتملیک اللہ ماننا بھی شرک ہے۔

۲: چونکہ مشرکین عرب کا یہ اعتقاد تھا کہ ہمارے معبود علم و قدرت میں اللہ تعالیٰ کے مساوی نہیں لہٰذا ان کا یہ اعتقاد اس دعویٰ کی دلیل ہے کہ اگر کوئی شخص انبیاء و اولیاء کو علم و قدرت میں اللہ تعالیٰ کے مساوی نہ مانے تب بھی کافر و مشرک ہے۔

(جواہر القرآن ص ۱۴۰/۱۲)

۳: مشرکین مکہ اپنے معبودوں کو محض سفارشی سمجھ کر پکارتے تھے۔ جیسا کہ قرآن

مجید میں ان کا قول مذکور ہے ’’مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى‘‘ اسی طرح دوسری آیت میں ہے ’’وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ‘‘ معلوم ہوا کہ کسی نبی وولی کو عطائی علم و قدرت سے متصف مانے بغیر بھی انسان صرف اس وجہ سے مشرک ہو جاتا ہے کہ اس نے ان کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں اپنا سفارشی قرار دیا۔ (جواہر القرآن ص ۱۴۴)

۴: چونکہ یہود ونصاریٰ اور مشرکین عرب سب کا یہی خیال تھا کہ حضرت عیسیٰ و مریم وعزیر وابراہیم واسمٰعیل علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نفع نقصان کے اختیارات دے دئے ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ بزرگانِ دین کے لئے اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے اختیارات ماننا شرک ہے۔ (جواہر القرآن، ص ۱۲۲، ج ۱۲)

اس پر مزید ستم ظریفی ملاحظہ فرمائیے کہ بزرگانِ دین کے لئے بعطائے الٰہی علم وتصرف ماننے پر کفروشرک کا فتویٰ لگانے والوں سے جب سوال کیا گیا کہ اگر بزرگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کے دینے سے بھی علم وتصرف کا اعتقاد رکھنا کفروشرک ہے تو معتبر کتابوں میں بالاستقلال وغیرہ الفاظ کی قید کیوں لگائی گئی ہے؟

اس کے جواب میں مخالفین نے لکھا ہے کہ جن کتابوں میں بالاستقلال یا بالذات وغیرہ کی قیدیں آئی ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے پیروں فقیروں کو طاقت دے دی ہے کہ جس وقت جو چیز چاہیں جان لیں یا جس کو چاہیں نفع و نقصان پہنچادیں۔ انتہی

دعویٰ سے پہلے تفصیل دلائل کی نوعیت قابلِ غور ہے کہ بحث کے ہر جزو کے ثبوت کا دارومدار مشرکین کے عقائد واعمال کو قرار دیا ہے گویا مخالفین کے نزدیک رد شرک کی دلیل مشرکین کا قول وفعل ہے۔ سبحان اللہ! کیا عجیب استدلال ہے کہ چونکہ مشرکین اپنے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کا مملوک کہتے اور انہیں متصرف بالعرض مانتے

تھے اس لئے غیر اللہ کو متصرف بالعرض سمجھنا شرک ہے اور چونکہ مشرکین اپنے معبودوں کو سفارشی سمجھتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ کے دربار میں کسی کو سفارشی سمجھنا شرک ہے۔

ان عقل کے دشمنوں سے کوئی اتنا نہیں پوچھتا کہ ارے بے وقوفو! مشرکین کا قول و فعل بھی حجت شرعیہ ہو سکتا ہے؟ پھر یہ کہ توحید جو اصل دین ہے اس کے اثبات کے لئے نہ اللہ تعالیٰ کا کوئی قول تمہیں ملا نہ اس کے رسول ﷺ کا، ایسے عظیم الشان دعویٰ پر دلیل لائے تو کہاں سے؟ مشرکین کے عقائد و اعمال سے؟ لا حول و لا قوۃ الا باللہ! تمہیں شرم نہیں آتی کہ ہم بزرگان دین کا کوئی کلام یا عمل و اعتقاد اپنے مسلک کی تائید میں پیش کرتے ہیں تو تم یہ کہہ کر رد کر دیتے ہو کہ بزرگوں کے اقوال و اعمال دلیل شرعی نہیں ہو سکتے۔ حجت شرعیہ صرف قرآن و حدیث ہے لیکن اپنی خود ساختہ توحید کے ثبوت میں مشرکین کے اقوال و افعال سے استدلال کر رہے ہیں۔

ع

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

مخالفین نے اپنی کجروی میں انتہا کر دی کہ بزرگانِ دین کے اقوال کو جو باب فضائل میں فی الجملہ قابل استدلال ہیں، رد کر دیا اور مشرکین کے عقائد و اعمال کو حجت شرعیہ قرار دے دیا۔ ع

ناطقہ سر بہ گریباں ہے اسے کیا کہیئے

اس بحث میں بعض معاندین کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم مانتے ہیں کہ مشرکین عرب اپنے بتوں کی عبادت کرنے کی وجہ سے مشرک قرار پائے لیکن عبادت کے معنی بھی تو یہی ہیں کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں اپنا سفارشی سمجھتے یا نفع و نقصان پہنچانے کے اختیارات اس کے لئے مانے۔ اگر چہ وہ اس کو "متصرف فی الامور بالعرض بتملیک اللہ" اعتقاد کرے اور اس کے علم و قدرت کو اللہ تعالیٰ کے علم و

قدرت کے مساوی نہ مانے لیکن جب وہ مافوق الاسباب نفع ونقصان کا مختار جانتے ہوئے غائبانہ طور پر پکارتا ہے اور اس سے اپنی حاجات طلب کرتا ہے تو اس کا یہی فعل غیر اللہ کی عبادت ہے اور اس سے مستقل وبالذات سمجھنے کا مفہوم بھی یہی ہے۔

اس کے جواب میں عرض ہے کہ عبادت اور استقلال ذاتی کے یہ معنی قرآن وحدیث میں قطعاً وارد نہیں ہوئے نہ سلف صالحین سے منقول ہیں بلکہ مخالفین نے امت مسلمہ کو کافر ومشرک بنانے کے لئے قرآن وحدیث کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اپنے دل سے گھڑ لئے ہیں جن کی کوئی اصل نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن حدیث میں اکثر وبیشتر ایسے الفاظ وارد ہوئے ہیں جن کے معنی اس قدر روشن اور ظاہر ہیں کہ ہر شخص انہیں جانتا اور سمجھتا ہے ان کے بیان کی کسی کے لئے حاجت نہیں اسی واسطے ان کی تفصیل قرآن وحدیث میں وارد نہیں ہوئی۔ مثلاً حمد، شکر، تعظیم، وغیرہا بکثرت الفاظ وارد ہیں مگر ان کے معانی کی تفصیل کتاب وسنت میں کہیں مذکور نہیں۔ اسی طرح عبادت بھی ایک ایسا لفظ ہے، جس کے معنی نہایت واضح اور روشن ہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ عبادت کے معنی بندگی ہیں۔ یعنی کسی کو حقیقی بے نیاز مان کر اس کے غیر کو اس کا حقیقی نیاز مند سمجھنا۔ اس لئے علمائے مفسرین نے عبادت کے معنی غایۃ الخضوع والخشوع کئے ہیں جن کو ہمارے مخالفین نے بھی تسلیم کیا ہے۔

مشرکین عرب اپنے بتوں کو قطعاً اور مطلقاً بے نیاز تصور کر کے اپنے آپ کو ہر طرح کلیتاً ان کا نیاز مند سمجھتے تھے اور ظاہر ہے کہ تذلّل وخضوع کی غایت یہی ہے۔ مختصر یہ کہ عبادت کے معنی صرف بندگی، غایت خشوع وخضوع ہیں۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ ہمارے مخالفین نے عبادت کی تفسیر استعانت سے کر دی حالانکہ یہ دونوں الگ الگ معنی کے لئے موضوع ہیں اور ہر ایک کا مفہوم دوسرے سے مختلف اور جداگانہ ہے

جیسا کہ آیہ کریمہ ''اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ'' سے واضح ہے اور بعض مفسرین نے استعانت سے خاص استعانت علی العبادت مراد لے کر اس بات کو خوب واضح کر دیا کہ استعانت وعبادت باہم متغائر ہیں البتہ اگر کسی استعانت میں غایت اور بندی، خشوع وخضوع کا وصف بھی پایا جائے گا تو ہم اسے بھی محض اس لئے عبادت قرار دیں گے کہ اس میں غایت تذلل کی صفت پائی جاتی ہے۔

جن آیاتِ قرآنیہ سے مخالفین کو دھوکا لگا ہے ان میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہو کہ کسی کے لئے نفع ونقصان پہنچانے کا اختیار ماننا یا حاجات میں امداد طلب کرنا عبادت ہے بلکہ ان آیات میں اس امر کو بیان کیا گیا ہے کہ مشرکین اپنے بتوں سے علی وجہ العبادت استعانت کے قائل تھے یا انہیں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے کہ عقل سلیم کے مطابق معبود وہی ہو سکتا ہے جو فی الواقع ہر قسم کی امداد کرنے والا اور تمام حاجات بر لانے والا ہو نیز مستقل بالذات، مختار ہونا اس کی صفت ہو۔

اس مقام پر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ ہم بھی ہر استعانت کو عبادت نہیں کہتے بلکہ اسی استعانت کو عبادت قرار دیتے ہیں جس میں غایت تذلل پایا جائے مگر ایسی استعانت ہمارے نزدیک وہی ہے جو مافوق الاسباب امور میں غائبانہ نداء کے ساتھ کی جائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ غایتِ تذلل اور عبادت کا تعلق نہ مافوق الاسباب امور سے ہے نہ غائبانہ ندا سے، اس کا تعلق تو محض اعتقاد سے ہے یعنی انسان اپنے آپ کو کسی کے سامنے ذلت اور پستی کے اس آخری درجہ میں سمجھے جس کے بعد عاجزی اور ذلت کا کوئی درجہ نہ ہو تو وہ انسان اس کا عابد قرار پائے گا جس کے سامنے اس نے اپنے آپ کو ذلت وعاجزی کے آخری درجہ میں سمجھا ہے۔

اس قسم کی عاجزی کرنے والا عابد ہے اور جس کے لئے یہ عاجزی کی گئی ہے وہ معبود ہے اور ایسی عاجزی عبادت ہے۔ اس مفہومِ عبادت کے مافوق الاسباب امور یا غائبانہ ندا وغیرہ سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں، **فافھم و تدبر۔**

سلسلہ کلام میں ایک آخری شبہ کا جواب دے کر اس بحث کو ختم کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ابن قیم نے مدارج السالکین میں عبادت کے حسب ذیل معنی لکھے ہیں۔

العبادة عبارة عن الاعتقاد و الشعور بان للمعبود سلطة غيبية (اى فى العلم و التصرف) فوق الاسباب يقدر بها على النفع و الضرر فكل دعاء وثناء وتعظيم ينشاء من هذا الاعتقاد فهى عبادة (جواہر القرآن ص ۱۲۹)

یعنی اس اعتقاد اور شعور کا نام عبادت ہے کہ (علم تصرف) معبود کے لئے فوق الاسباب ایسی غیبی قوت حاصل ہے جس کی وجہ سے وہ نفع اور ضرر پر قدرت رکھتا ہے۔ لہٰذا ہر وہ دعا اور ثناء اور تعظیم جو اس اعتقاد سے پیدا ہو وہ عبادت ہے۔

یہ عبارت اس مفہوم میں صریح ہے کہ فوق الاسباب امور میں کسی کو غائبانہ طور پر پکارنا اور حاجات طلب کرنا عبادت ہے۔

جواباً عرض ہے کہ اول تو ابن قیم کی عبارت ہم پر حجت نہیں۔ دوسرے یہ کہ عبادت کی یہ تعریف غلط ہے۔ اس لئے کہ "**للمعبود سلطةً غيبية**" میں لفظ معبود تعریف عبادت کا جزو ہے جو عبادت سے ماخوذ ہے۔ جب تک عبادت کے معنیٰ معلوم نہ ہوں، معبود کے معنیٰ معلوم نہیں ہو سکتے، ایسی صورت میں دور لازم آتا ہے۔ (۱)

تیسرے یہ کہ یہ تعریف اپنے تمام افراد کو جامع نہیں اس لئے کہ جو شخص کسی کو

---

(۱) ولا مخلص منه الا بتاويل ركيك لا يعبأ به فى التعريفات ۱۲ منہ

غایتِ تعظیم کا مستحق جان کر اس کے لئے انتہائی تذلل اختیار کرتا ہے مگر وہ اس کے حق میں قدرت غیبیہ کا قائل نہیں تو اس کا یہ فعل بالاتفاق عبادت ہے مگر ابن قیم کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی ۔ (۱)

چوتھے یہ کہ مخالفین نے غائبانہ طور پر کسی کو پکارنے اور مافوق الاسباب امور میں حاجات طلب کرنے کا نام عبادت رکھا ہے اور ظاہر ہے کہ طلب و ندا دونوں فعل محض ہیں ۔ ان میں سے کوئی بھی اعتقاد نہیں حالانکہ ابن قیم نے صرف اعتقاد کو عبادت قرار دیا ہے اور مسلّمہ طور پر لکھا ہے کہ کسی کے حق میں قدرت غیبیہ کے اعتقاد اور شعور کو عبادت کہتے ہیں ۔ اعتقادِ مذکور کے بغیر کسی قول و فعل کو ابن قیم نے عبادت نہیں کہا اور اگر مخالفین کے قول میں طلب و نداء کے ساتھ اعتقاد کی قید کا لحاظ بھی کر لیا جائے تب بھی ابن قیم کے بیان کے ساتھ مطابقت نہیں ہوتی ۔ اس لئے کہ مخالفین نے صرف غائبانہ نداء اور طلب حاجات کو عبادت قرار دیا اور ابن قیم کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ قول و فعل جو اعتقاد مذکور سے پیدا ہو وہ عبادت ہے خواہ وہ دعا یا تعظیم ہو یا ثناء ۔

اس بحث سے تنگ آ کر مخالفین یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ اچھا ہم نے مان لیا کہ مافوق الاسباب امور میں حاجات طلب کرنا اور کسی کو غائبانہ پکارنا عبادت نہیں مگر شرک تو ضرور ہے ۔ لہٰذا یہ فعل شرک فی العلم والتصرف قرار پائے گا ۔ اس کے جواب میں مخالفین سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہاں کس چیز کو شرک سمجھتے ہیں ۔

۱: مافوق الاسباب امور میں غیر اللہ کے لئے علم و قدرت کا اثبات شرک ہے ۔

---

(۱) اگر کہا جائے کہ عقلاً غایتِ تذلل اس کیلئے ہو سکتا ہے جو قدرتِ غیبیہ رکھتا ہو ۔ لہٰذا غایتِ تذلل کیلئے معبود کے لئے معبود کی سلطۂ غیبیہ کا اعتقاد لازم ہے تو میں عرض کروں گا کہ عقلاً معبود وہی ہو سکتا ہے جو واجب الوجود وحدہ لاشریک ہو تو کیا اس قاعدہ کے مطابق نفسِ عبادت کیلئے معبود کے واجب الوجود اور لاشریک ہونے کا اعتقاد بھی لازم ہو گا ۔

۲: یا محض غائبانہ ندا کو آپ شرک کہتے ہیں۔

۳: یا ان میں سے ہر ایک کو الگ الگ شرک قرار دیتے ہیں۔

۴: یا دونوں کے مجموعے کو شرک مانتے ہیں۔

دوسری اور تیسری صورت میں چونکہ محض ندائے غائبانہ کو شرک قرار دیا گیا ہے اس لئے لازم آتا ہے کہ غائبانہ نداء کرنے والے تمام لوگ کافر و مشرک ہو جائیں گے حالانکہ یہ بات ہمارے مخالفین کے نزدیک بھی بالکل غلط ہے۔ چنانچہ ”اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ“ ندائے غائبانہ ہونے کے باوجود نہ صرف جائز بلکہ بالاتفاق واجب ہے۔ اگر اسے شرک قرار دیا جائے تو معاذ اللہ عہد رسالت سے لے کر قیامت تک تمام نمازی مشرک قرار پائیں گے اور چوتھی صورت میں علم و قدرت کے اعتقاد اور ندائے غائبانہ دونوں کے مجموعے کو شرک مانا گیا ہے۔ اس لئے اس کا واضح مفہوم یہی ہے کہ ان دونوں کا صرف مجموعہ شرک ہے۔ اگر ان دونوں اجزاء یعنی غیر اللہ کے حق میں علم و قدرت و تصرف کے اعتقاد اور غیر خدا کے لئے ندائے غائبانہ کو ایک دوسرے سے الگ کر لیا جائے تو ان دونوں میں سے کوئی بھی شرک نہ رہے حالانکہ یہ **صریح البطلان** ہے ورنہ مخالفین کے نزدیک وہ تمام لوگ اصحابِ توحید قرار پائیں گے جو غیر اللہ کو غائبانہ طور پر کبھی نہیں پکارتے مگر اس کے لئے علم و قدرت اور تصرف **فی الامور** کے قائل ہیں۔

اب رہی پہلی صورت اور وہ یہ کہ غیر اللہ کے لئے مافوق الاسباب امور میں علم و قدرت اور تصرف کے اثبات کو آپ شرک کہتے ہیں یا غیر مستقل ذاتی غیر مقید بالاذن علم و قدرت اور تصرف کا اثبات کرنا بھی آپ کے نزدیک کفر و شرک ہے۔ بر تقدیر اول ہمیں آپ سے اختلاف نہیں لیکن آج تک کسی مسلمان نے کسی غیر اللہ کے لئے مستقل اور ذاتی علم و قدرت اور غیر مقید بالاذن تصرف ثابت نہیں کیا۔ پھر آپ خواہ مخواہ مسلمانوں پر

کفر وشرک کا الزام کیوں لگاتے ہیں اور دوسری تقدیر پر ہم عرض کریں گے کہ غیر مستقل عطائی مقید بالاذن علم وقدرت اور تصرف کا اثبات غیر اللہ کے لئے اسی وقت شرک ہو سکتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی اسی قسم کا غیر مستقل، عطائی اور مقید بالاذن علم وقدرت اور تصرف ثابت کیا جائے کیونکہ صفات الٰہیہ کا غیر اللہ کے لئے ثابت کرنا ہی شرک ہے۔ اگر غیر مستقل علم وقدرت اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں تو شرک کیسے ہوگا؟ اور اگر اللہ تعالیٰ کے لئے بھی عطائی اور غیر مستقل صفت مانی جائے تو ایسا عقیدہ خود کفر وشرک ہے۔ ع

وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

اس کے بعد اس حقیقت کا انکشاف بھی ضروری ہے کہ معترض کے جواب میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کی اصل معترض کے مسلم بزرگوں اور اکابر کی کتابوں میں مذکور ہے چنانچہ مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنی آخری تصنیف بوادر النوادر حصہ سوم میں ص ۷۰۷ میں لکھا ہے کہ مشرکین عرب اپنے اٰلِهه کے لئے قدرتِ مستقلہ کے قائل تھے۔

> "حاصل اس اعتقاد تاثیر وعدم اعتقادِ تاثیر کے معیار فرق کا یہ ہے کہ بعض کا تو یہ عقیدہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے کسی خاص مخلوق کو جو اس کا مقرب ہے کچھ قدرت مستقلہ نفع وضرر کی اس طرح سے عطا فرمادی ہے کہ اس کا اپنے معتقد ومخالف کو نفع وضرر پہنچانا مشیت جزئیہ حق پر موقوف نہیں۔ گو اگر روکنا چاہے تو پھر قدرت حق ہی غالب ہے جیسے سلاطین اپنے نائبین و حکام کو خاص اختیارات اس طرح دے دیتے ہیں کہ ان کا اجراء اس وقت سلطانِ اعظم کی منظوری پر موقوف نہیں آتا، گو روکنا چاہے سلطان ہی کا حکم غالب رہے گا سو یہ عقیدہ تو اعتقادِ تاثیر ہے اور مشرکین عرب کا اپنے اٰلِهه باطلہ کے ساتھ یہی اعتقاد تھا"۔

اس کے بعد تھانوی صاحب نے تقریر شرک کے دو مقدمے مقرر کر کے انہیں عقلی اور نقلی دلیلوں سے ثابت کیا ہے وہ دو مقدمے حسب ذیل ہیں فرماتے ہیں

’’ایک یہ کہ مشرکین اس تصرف غیر مقید بالاذن کے قائل تھے۔

دوسرے یہ کہ تصرف مقید بالاذن کا قائل ہونا شرک اکبر نہیں‘‘۔

شرک کی تفصیل میں جتنی عبارات پائی جاتی ہیں ان میں ایک مفہوم کو متعدد اور مختلف عنوانات سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مثلاً کہیں شرک کے معنی اعتقاد تاثیر کئے گئے ہیں اور کسی جگہ قدرت مستقلہ کے عقیدے کو شرک کہا گیا ہے۔ بعض مقامات پر شرک کی تفصیل کے تحت تصرف غیر مقید بالاذن بولا گیا ہے۔ ان مختلف عنوانوں کا فائدہ یہ ہے کہ کوئی عنوان بھی اپنے مفہوم کے اعتبار سے مبہم نہیں رہا لیکن بعض جہلا نے مفہوم استقلال کے بیان میں اختلالِ حواس کا ثبوت دیتے ہوئے ایسا گول مول کلام کیا ہے جس کا کوئی واضح مفہوم متعین نہیں ہوتا البتہ بطورِ احتمال اتنا سمجھ میں آتا ہے کہ مستقل ہونے کا مفہوم معترض کے نزدیک صاحب اختیار ہونا ہے۔ جس کا قول علماء امت میں سے آج تک کسی نے نہیں کیا بلکہ بلغۃ الحیر ان کی عبارت کے پیشِ نظر معترض خود مشرک قرار پاتا ہے۔ اس لئے کہ بلغۃ الحیر ان ص ۱۵۷ میں صاف مذکور ہے کہ انسان خود مختار ہے۔ جب مختار ہونا استقلال کا مفہوم ٹھہرا تو ثابت ہو گیا کہ صاحب بلغہ بندے کو مستقل فی الاعمال مانتا ہے اور اس کا شرک ہونا معترض کے نزدیک بھی مسلم ہے۔ اس لئے صاحب بلغة الحیران کا مشرک ہونا لازمی امر ہے۔

اب مولوی اشرف علی تھانوی کی تصریحات اسی مسئلے میں ملاحظہ فرمائیے۔

تھانوی صاحب نے کہیں قدرتِ مستقلہ کا لفظ بولا جیسا کہ ان کی عبارتِ منقولہ میں آپ ابھی پڑھ چکے ہیں اور کسی جگہ تصرف غیر مقید بالاذن تحریر فرمایا۔ اس اختلافِ تعبیر سے ہر عنوان کے معنی واضح ہو گئے یعنی اعتقاد تاثیر اور قدرتِ مستقلہ کا عقیدہ،

سب کا خلاصہ یہ ہے کہ تصرف غیر مقید بالاذن کا اعتقاد پایا جائے۔ معلوم ہوا کہ استقلال کے جو معنی معترض کے کلام سے مفہوم ہوتے ہیں وہ قطعاً باطل ہیں بلکہ اس کا صحیح مفہوم غیر مقید بالاذن ہونا ہے اور بس۔

لیجئے بوادر النوادر سے تھانوی صاحب کی اور عبارت بھی ہمارے بیان کی تائید اور معترض کے ردِ بلیغ میں ملاحظہ فرمالیجئے۔ تھانوی صاحب بوادر النوادر حصہ دوم ص ۷۰۷ میں لکھتے ہیں

> ”اور جاہلانِ عرب کا مشرک ہونا نص سے ثابت ہے پس لا محالہ وہ تصرف غیر مقید بالاذن کے قائل تھے“۔

آمدم برسر مطلب: حاضر و ناظر کے مفہوم کا خلاصہ یہ ہے کہ عالم کا ذرہ ذرہ روحانیت نبی کریم ﷺ کی جلوہ گاہ ہے۔

دلیل

قال اللہ تعالیٰ: وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝

ترجمہ: اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو (اے محمد ﷺ) مگر رحمت تمام جہانوں کے لئے

مندرجہ ذیل امور ملحوظ رکھنے کے بعد آیہ کریمہ کی روشنی میں ہمارے دعویٰ کا ثبوت واضح ہوجاتا ہے۔

۱: رحمۃ للعالمین ہونا حضور نبی کریم ﷺ کا وصف خاص ہے۔

۲: آیۂ کریمہ ”وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ“ وغیرہا کے کلمہ ”العالمین“ کا عموم دلیل خصوص پائے جانے کی وجہ سے بالاجماع باقی نہیں رہا مگر آیتِ زیرِ بحث میں جو لفظ ”العٰلمین“ ہے اس کا مخصص نہیں پایا گیا۔ اس لئے وہ اپنے عموم پر ہے و من ادعی الخصوص فعلیہ البیان لہٰذا ہر فرد عالم کا حضور ﷺ کے دامنِ رحمت

میں ہونا ثابت ہے۔

۳: حضور ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کے معنی تفسیر روح المعانی پ۱۷ ص ۹۵ پر اسی آیت کریمہ کے تحت مرقوم ہیں (۱) ''ہم نے آپ کو (اے محمد ﷺ) رحمت یا ذارحمت یا راحماً للعلمین ہونے کے حال کے سوا اور کسی حال میں نہیں بھیجا''۔ اور اگر لفظ رحمۃ کو **مفعول لہٗ** کہا جائے تب بھی حضور ﷺ سبب رحمت قرار پائیں گے۔ بہر نوع نبی اکرم ﷺ کی رحمت کا ہر فرد عالم کے لئے عام ہونا ظاہر ہے۔ جن حضرات نے ''العالمین'' کی تفسیر الناس یا ثقلین یا ذوی العلم سے کی ہے۔ ان کے کلام سے العٰلمین کی تخصیص پر استدلال صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اشرف العالمین چونکہ یہی انواع ثلاثہ ہیں اس لئے ان کے حق میں حضور کا رحمت ہونا بقیہ عالمین کے حق میں حضور کے رحمت ہونے کو مستلزم ہے۔ دلیل یہ ہے کہ یہ تینوں اپنے ماسوا کے متبوع اور ان سب کا مجموعہ اور خلاصہ ہیں۔ لہٰذا سب کے حق میں حضور کا رحمت ہونا ثابت ہوا۔

۴: یہ امر بھی روشن ہے کہ جب تک رسول کریم ﷺ اصل کائنات اور تمام عالم پر فیضِ خداوندی کا واسطہ نہ ہوں اس وقت تک حضور ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔ بنابریں جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عالم کی اصل قرار پائے تو تمام عالم کے جمیع افراد حضور کی فرع ہوئے۔ پس جس طرح درخت کی ہر شاخ ہر پتے بلکہ اس کے ہر جزو میں اصل ہی کا ظہور ہوتا ہے اسی طرح تمام جہانوں یعنی ماسوی اللہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی نورانیت اور روحانیت مقدسہ جلوہ گر ہوگی اور عالم کا ذرہ ذرہ روحانیت اور نورانیت نبی کریم ﷺ کی جلوہ

---

(۱) وما ارسلنک فی حال من الاحوال الا حال کونک رحمۃ او ذا رحمۃ او راحماً لھم ۱۲

گاہ قرار پائے گا۔ آیۂ کریمہ کی تفسیر میں جلیل القدر مفسرین کرام نے اسی مضمون کا خلاصہ تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ تفسیر (۱) روح المعانی پ۱۷ ص ۹۶ پر مرقوم ہے۔

”تمام جہانوں کے لئے حضور ﷺ کا رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ نبی کریم ﷺ کل ممکنات پر ان کی قابلیت واستعداد کے موافق فیض الٰہی کا واسطہ عظمیٰ ہیں اس لئے حضور ﷺ کا نور اول مخلوقات ہے (کیونکہ اصل کا وجود فرع سے پہلے ہوتا ہے) حدیث شریف میں وارد ہے ”اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کا نور سب سے پہلے پیدا فرمایا“ اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا ہوں اور حضرات صوفیاء کرام قدست اسرارہم کا کلام اس بیان میں ہمارے کلام سے بہت بڑھ چڑھ کر ہے“۔

تفسیر عرائس البیان جلد دوم مطبوعہ نول کشور لکھنؤ میں ص ۵۲ پر ہے۔ (۲)

”اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو (اے محمد ﷺ) مگر رحمت تمام جہانوں کے لئے“ اے صاحبِ فہم وخرد! اللہ تعالیٰ نے اسی آیت کریمہ

---

(۱) وکونہ ﷺ رحمۃ للجمیع باعتبار انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام واسطۃ الفیض الالھی علی الممکنات علی حسب القوابل ولذا کان نورہ ﷺ اول المخلوقات ففی الخبر اول ماخلق اللہ تعالیٰ نور نبیک یا جابر وجاء اللہ تعالیٰ المعطی وانا القاسم وللصرفیۃ قدس اسرارھم فی ھذا الفصل کلام فوق ذالک ۱۲

(۲) وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ، ایھا الفھیم ان اللہ سبحانہ اخبرنا ان نور محمد ﷺ اول ما خلقہ فی الاول من جمیع خلقہ ثم خلق جمیع الخلائق من العرش الی الثری من بعض نورہٖ فارسالہ من العدم الیٰ مشاھدۃ القدم رحمۃ لجمیع الخلائق اذالجمیع صدر منہ فکونہ کون الخلق (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں ہمیں بتایا کہ خالقِ کائنات نے اپنی کل مخلوقات میں جو چیز سب سے پہلے پیدا کی وہ حضرت محمد ﷺ کا نور مبارک ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس نور کے ایک جزو سے از عرش تا فرش تمام مخلوقات کو پیدا فرمایا۔ لہٰذا عدم سے مشاہدہ قدم کی طرف ان (محمد عربی ﷺ) کا بھیجنا جمیع مخلوقات کے لئے رحمت ہے۔ کیونکہ (مصدر خلائق وہی ہیں) سب کا صدور وظہور انہی کے نور سے ہے۔ لہٰذا ان کا ہونا مخلوق کا ہونا ہے اور ان کا موجود ہونا وجودِ خلق کا موجب ہے اور ان کا وجود مبارک جمیع خلائق پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سبب ہے۔ اس لئے کہ سب کے وجود کا سبب وہی ہیں۔ لہٰذا وہ ایسی رحمت ہیں جو سب کے لئے کافی ہیں اور اسی آیت میں (اللہ تعالیٰ نے) ہمیں (یہ بھی) سمجھا دیا ہے کہ قضاء قدرت میں تمام مخلوقات صورتِ مخلوقہ کی طرح بے جان اور بغیر روح حقیقی کے پڑی ہوئی حضرت محمد ﷺ کی تشریف آوری کا انتظار کر رہی تھی۔ جب حضور ﷺ عالم میں تشریف لائے تو تمام عالم وجود محمدی سے زندہ ہو گیا۔ اس لئے کہ تمام مخلوقات کی روح حضور ﷺ ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر رحمت تمام جہانوں کے لئے“۔

(حاشیہ بقیہ صفحہ گذشتہ) وكونه سبب وجود الخلق و سبب رحمة الله على جميع الخلائق اذ هوا سبب وجود الجميع فهو رحمة كافية وافهم ان جميع الخلائق صورة مخلوقة مطروحة فی فضاء القدرة بلا روح حقيقية منتظرة لقدوم محمد ﷺ فاذا قدم فی العالم صار العالم حيا بوجوده لانه روح جميع الخلائق قال اللہ تعالیٰ وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ (تفسیر عرائس البیان جلد ۲ ص ۵۲)

یہی مضمون تفسیر روح البیان جلد ۵ پ۲۲ ص ۵۲۸ پر مرقوم ہے۔

آیت کریمہ کی جو تفسیر ہم نے جلیل القدر علماءِ مفسرین سے نقل کی ہے اس کی روشنی میں یہ حقیقت آفتاب سے زیادہ روشن ہو گئی کہ تمام افرادِ ممکنات کے ساتھ حضور نبی کریم ﷺ کا رابطہ اور تعلق ہے جس کے بغیر وصولِ فیض ممکن نہیں اور جب سب کا ربط حضور سے ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی سے دور نہیں نہ کسی فردِ ممکن سے بے خبر ہیں۔ جب وہ رحمۃ للعالمین ہونے کی وجہ سے روحِ دو عالم ہیں تو کس طرح ممکن ہے کہ عالم کا کوئی فرد یا جزو اس روح مقدسہ سے خالی ہو جائے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ حضور نبی کریم ﷺ رحمۃ للعالمین ہو کر روحِ کائنات ہیں اور عالم کے ہر ذرہ میں روحانیتِ محمدیہ کے جلوے چمک رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ آپ کی یہ جلوہ گری علم و ادراک اور نظر و بصر سے معرّیٰ ہو کر نہیں ہو سکتی کیونکہ روحانیت و نورانیت ہی اصل ادراک اور حقیقتِ نظر و بصر ہے۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ عرش سے فرش تک تمام مخلوقات و ممکنات کے حقائق لطیفہ پر حضور نبی کریم ﷺ حاضر و ناظر ہیں۔

اس مضمون کو ذہن نشین کر لینے کے بعد یہ امر خود بخود واضح ہو جاتا ہے کہ علماء عارفین اور اولیاء کاملین نے جو حقیقت محمدیہ کو تمام ذراتِ کائنات میں جاری و ساری بتایا ہے جیسا کہ وہ تمام عبارات عنقریب ہدیۂ ناظرین کی جائیں گی اس کی اصل یہی آیۂ مبارکہ ہے اور اس میں شک نہیں کہ نماز میں ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ'' کہنے کا حکم بھی اس امر پر مبنی ہے کہ جب حقیقتِ محمدیہ تمام ذراتِ کائنات میں موجود ہے تو ہر عبد مصلّے کے باطن میں بھی اس کا پایا جانا ضروری ہے اور چونکہ حضور ﷺ باوجود تمام کائنات میں جلوہ گر ہونے کے اللہ تعالیٰ کے دربار سے کسی وقت جدا نہیں ہوتے۔ اس لئے نمازی کو حکم دیا گیا کہ جب تو دربارِ الٰہی میں حاضر ہو تو خطاب و نداء کے ساتھ انہیں مخاطب کر کے ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ'' کے الفاظ سے ان کی خدمت میں تحفہ

سلام پیش کر، چنانچہ قطب ربانی غوث صمدانی سیدی امام عبدالوھاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور تصنیف کتاب المیز ان مطبوعہ مصر ۱۴۵ پر تشہد کے بیان میں ارقام فرماتے ہیں

”میں نے سیدی علی خواص رضی اللہ عنہ سے سنا وہ فرماتے تھے کہ شارع (حقیقی) نے (قعدہ) تشہد میں نمازی کو رسول اللہ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا حکم صرف اس لئے دیا کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں بیٹھنے والے غافلوں کو اس بات پر تنبیہہ فرمادے کہ جہاں وہ بیٹھے ہیں اس بارگاہ میں ان کے نبی ﷺ بھی تشریف فرما ہیں۔ اس لئے کہ وہ دربارِ خداوندی سے کبھی جدا نہیں ہوتے۔ پس نمازی نبی کریم ﷺ کو بالمشافہ (روبرو) سلام کے ساتھ خطاب کرتے ہیں۔“ (۱)

اس عبارت میں ”**شھود نبیھم فی تلک الحضرۃ**“ (نبی کریم ﷺ کا بارگاہِ ایزدی میں حاضر وجلوہ گر ہونا۔) اور ”**فانہ لا یفارق حضرۃ اللہ ابدا**“ نبی کریم ﷺ بارگاہِ الٰہی سے کسی وقت جدا نہیں ہوتے اور **فیخا طبونہ بالسلام مشافھۃ** (نمازی بالمشافہ یعنی حضور کے روبرو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سلام کے ساتھ خطاب کرتے ہیں۔) خاص طور پر قابلِ غور جملے ہیں۔ یہ تینوں جملے اس مقام پر مخالفین کے تمام شکوک وشبہات کا قلع قمع کر رہے ہیں۔ ایسے چمکتے ہوئے دلائل کے سامنے کسی کور باطن کا یہ کہنا کہ ”**اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ**“ معاذ اللہ بعید غائب کو خطاب ہے۔ حضور کی محض خیالی صورت ہوتی ہے۔ خود حضور بارگاہِ ایزدی میں حاضر نہیں

---

(۱) سمعت سیدی علیا الخواص رحمہ اللہ تعالیٰ یقول انما امر الشارع المصلی بالصلوٰۃ و السلام علی رسول اللہ ﷺ فی التشہد لینبہ الغافلین فی جلوسھم بین یدی اللہ عزوجل علی شھود نبیھم فی تلک الحضرۃ فانہ لا یفارق حضرۃ اللہ تعالیٰ ابداً فیخاطبونہ بالسلام مشافھۃ (کتاب المیز ان للامام الشعرانی مطبوعہ مصر ۱۴۵)

ہوتے''، کیسی دیدہ دلیری اور ہٹ دھرمی ہے؟ بھلا کوئی منصف مزاج ایسے روشن کلمات کے ہوتے ہوئے اس تنگ نظری اور تاریک خیالی کو قبول کر سکتا ہے۔

اسی مضمون کو تشہد کے بیان میں حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف فتح الباری شرح صحیح بخاری میں حسب ذیل ایمان افروز عبارت میں ارقام فرمایا ہے۔

> اہل (۱) عرفان کے طریقہ پر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب نمازیوں نے التحیات کے ساتھ ملکیت کا دروازہ کھلوایا تو انہیں حی لا یموت کی بارگاہ میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی ان کی آنکھیں فرحت مناجات سے ٹھنڈی ہوئیں تو انہیں اس بات پر تنبیہ کی گئی کہ بارگاہ خداوندی میں جو انہیں یہ شرف باریابی حاصل ہوا ہے یہ سب نبی رحمت ﷺ کی برکتِ متابعت کا طفیل ہے۔

نمازیوں نے اس حقیقت سے باخبر ہو کر بارگاہِ خداوندی میں جو نظر اٹھائی تو دیکھا کہ حبیب کے حرم میں حبیب حاضر ہے یعنی دربارِ خداوندی میں نبی کریم ﷺ جلوہ گر ہیں۔ حضور کو دیکھتے ہی ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہ'' کہتے ہوئے حضور کی طرف متوجہ ہوئے۔

(فتح الباری جلد ۲ مطبوعہ مصر ص ۲۵۰)

---

(۱) ویحتمل ان یقال علی طریق اھل العرفان ان المصلین لما استفتحوا باب الملکوت بالتحیات اذن لھم بالدخول فی حریم الحی الذی لا یموت فقرت أعینھم بالمناجات فنبھوا علی ان ذلک بواسطۃ نبی الرحمۃ وبرکۃ متابعتہ فالتفتوا فاذا الحبیب فی حرم الحبیب حاضر فاقبلوا علیہ قائلین السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۱۲ (فتح الباری شرح صحیح البخاری مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۲۵۰)

یہی عبارت عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ۶ ص ۱۱۱ اور مواہب اللدنیہ جلد ثانی ص ۲۳۰ زرقانی شرح مواہب جلد نمبر ۷ ص ۳۲۹، ۳۳۰ زرقانی شرح مؤطا امام مالک جلد نمبر ا ص ۱۷۰، سعایہ جلد ثانی ص ۲۲۷، فتح الملہم جلد ۲ ص ۱۴۳، اوجز المسالک جلد ا ص ۲۶۵ پر بھی بعینہا مرقوم ہے۔ ہم نے تکرار اور اعادہ سے بچنے کے لئے صرف کتابوں کے نام مع صفحات تحریر کرنے پر اکتفا کرلیا ہے۔ ”ومن شاء الاطلاع فلیرجع الیھا۔“

مقام غور ہے کہ ان تمام کتابوں کے مصنفین اور محدثین کرام یعنی حافظ ابن حجر عسقلانی صاحب فتح الباری، امام قسطلانی صاحب مواہب اللدنیہ امام بدرالدین عینی عمدۃ القاری امام زرقانی صاحب شرح مواہب و شرح مؤطا، مولانا عبدالحیٔ لکھنوی صاحب سعایہ رحمہم اللہ تعالیٰ حتیٰ کہ سرگروہ منکرین و معاندین صاحب فتح الملہم و اوجز المسالک، سب بیک زبان کہ رہے ہیں کہ ”فَاِذَا الْحَبِيْبُ فِیْ حَرَمِ الْحَبِيْبِ“ حاضر یعنی نمازی جب دربارِ الٰہی میں نظر اٹھاتا ہے تو حبیب کو حرم حبیب میں حاضر پاتا ہے، فوراً عرض کرتا ہے۔ ”اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ“ اے نبی (ﷺ)! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں۔

یہ الگ بات ہے کہ جن لوگوں کے دِلوں میں مرض تھا انہوں نے حاضر کے معنی غائب اور اثبات کے معنی نفی سمجھ لئے۔ یہ ان کی اپنی شومیٔ قسمت اور کور باطنی ہے کہ انہیں کیسی نماز میں حرم حبیب کی حاضری نصیب نہ ہوئی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان اور قلم سے بھی ”فَاِذَا الْحَبِيْبُ فِیْ حَرَمِ الْحَبِيْبِ حَاضِرٌ“ صادر کرادیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی تائید اور اپنے حبیب کی تعریف و توصیف منکرین و معاندین سے بھی کرالیتا ہے اور جن کے قلوب انکار و عناد کی بیماری سے پاک تھے انہوں نے پوری وضاحت کے ساتھ حق کی تائید فرمائی جس کے ثبوت میں ہم مولانا عبدالحیٔ

لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی پوری عبادت سعایہ سے نقل کر کے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

''اہل معرفت کے طریق پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ نمازیوں نے جب التحیات کے ساتھ ملکوت کا دروازہ کھلوایا تو انہیں حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ کی بارگاہ میں حاضری کی اجازت مل گئی۔ فرحتِ مناجات سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں تو انہیں خبردار کیا گیا کہ یہ سب کچھ بواسطہ نبی رحمت اور انہی کی برکتِ متابعت سے ہے۔ انہوں نے خبردار ہوتے ہی نظر اٹھائی تو مالک حبیب کی بارگاہ میں حبیب کو حاضر پایا فوراً ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ'' کہتے ہوئے ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ میرے والد علام اور استاذ قمقام نے (اللہ تعالیٰ انہیں دار السلام میں داخل فرمائے) اپنے رسالہ ''نور الایمان (۱) بزیارۃ آثار حبیب الرحمٰن'' میں فرمایا: خطابِ تشہد (۲) یعنی التحیات میں ''(اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ) '' کہنے کا راز یہ ہے کہ حقیقت محمدیہ ہر وجود میں جاری وساری اور ہر بندہ کے باطن میں حاضر وموجود ہے۔ اس حالت کا پورا انکشاف بحالتِ نماز ہوتا ہے لہٰذا محلِ خطاب حاصل ہو گیا اور بعض اہلِ معرفت نے فرمایا کہ بندہ جب ثناءِ

---

(۱) ویحتمل ان یقال علیٰ طریق اهل المعرفة ان المصلین لما استفتحوا باب الملکوت بالتحیات اذن لهم فی حریم الحی الذی لا یموت فقرت اعینهم بالمناجات فنبهوا علی ان ذلک بواسطة نبی الرحمة وبرکة متابعته فالتفتوا فاذا الحبیب فی حرم الملک الحبیب حاضر فاقبلوا علیه قائلین السلام علیک ایها النبی وقال والدی العلام و استاذی القمقام ادخله فی دار السلام فی رسالته نور الایمان بزیارة اثار حبیب الرحمٰن ۱۲

(۲) السر فی خطاب التشهد ان الحقیقة المحمدیة کانها ساریة فی کل موجود و حاضرة فی باطن کل عبد و انکشاف هذه الحالة علی الوجه الاتم فی حالة الصلوٰة فحصل محل الخطاب وقال بعض اهل المعرفة (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

الٰہی سے مشرف ہوا تو اسے حرمِ الٰہی کے حریم میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی اور اس کی بصیرت کو خوب روشن کر دیا گیا حتیٰ کہ اس نے حرب حبیب میں حبیب کو حاضر پایا، فوراً ان کی طرف متوجہ ہوا اور عرض کیا ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ'' ''اے نبی! ﷺ آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں۔''

(سعایہ جلد۲ ص ۲۲۷/۲۲۸) مصنفہ مولوی عبدالحیٔ صاحب لکھنوی)

حقیقتِ محمدیہ کا موجوداتِ عالم میں جاری و ساری ہونا اور ذواتِ مصلین میں اس کی جلوہ گری اور اسی بناء پر التحیات میں ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ'' کہنے کا حکم دیا جانا ایسا روشن مسئلہ ہے جس کی تصریح نہ صرف مولانا عبدالحیٔ لکھنوی اور ان کے والد ماجد و دیگر آئمہ دین نے فرمائی بلکہ بکثرت علماء محدثین و علماء محققین نے اس نفیس مضمون کو اپنی تصانیف میں ارقام فرما کر اہلسنّت پر احسانِ عظیم فرمایا چنانچہ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں۔

اور حضور (۱) ﷺ ہمیشہ مومنوں کا نصب العین اور عابدوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔ تمام احوال و اوقات میں خصوصاً حالتِ عبادت میں اور اس کے آخر میں کہ نورانیت اور انکشاف کا وجود اس مقام میں بہت زیادہ اور نہایت قوی ہوتا ہے اور بعض عرفاء نے فرمایا ہے کہ یہ خطاب اس وجہ

(حاشیہ بقیہ صفحہ گذشتہ) ان العبد لما تشرف بثناء اللہ فکانہ فی حریم الحرم الالٰھی و نور بصیرۃ ووجد الحبیب حاضرا فی حرم الحبیب فاقبل علیہ وقال السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ (سعایہ جلد۲ ص ۲۲۷/۲۲۹ مصنفہ مولوی عبدالحیٔ لکھنوی)

(۱) و نیز آں حضرت ہمیشہ نصب العین مومناں و قرۃ العین عابداں است در جمیع احوال و اوقات خصوصاً در حالتِ عبادت و آخرِ آں کہ وجودِ نورانیت و انکشاف دریں احوال بیشتر و قوی ترست و بعضے از عرفاء گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت سریان حقیقتِ محمدیہ است (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے ہے کہ حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ تمام موجودات کے ذرات اور افراد ممکنات میں جاری وساری ہے۔ پس آنحضرت ﷺ نمازیوں کی ذات میں موجود اور حاضر ہیں لہٰذا نمازی کو چاہئے کہ اس معنی سے آگاہ رہے اور حضور ﷺ کے اس حاضر ہونے سے غافل نہ ہو تاکہ انوار قرب اور اسرارِ معرفت سے روشن اور فیضیاب ہو۔“ (اشعۃ اللمعات جلد ۱، ص ۴۰۱)

بعینہٖ یہی عبارت تیسیر القاری شرح صحیح بخاری جلد اول باب التشہد فی الآخرۃ ص ۲۸۱ مطبوعہ مطبع علوی لکھنؤ ص ۱۷۲، ص ۱۷۳ میں موجود ہے اور مسک الختام شرح بلوغ المرام میں ص ۲۴۴ پر نواب صدیق حسن خان بھوپالی اشعۃ اللمعات کی یہی عبارت منقولہ بالا تحریر فرما کر ایک شعر بھی لکھتے ہیں۔

در راہِ عشق مرحلۂ قرب و بعد نیست
می بینمت عیاں و دعا می فرستمت

اس کے بعد ہم علامہ محقق دوانی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور و مستند کتاب ”اخلاقِ جلالی“ سے اس مضمون کی تائید مزید نقل کرتے ہیں جسے پڑھ کر انشاء اللہ العزیز اہل ایمان کے قلوب جلوہ ہائے انوارِ محمدی سے چمک جائیں گے۔

محقق دوانی فرماتے ہیں

اس مقام پر تحقیق کلام یہ ہے کہ تمام اصحابِ نظر و برہان اور ارباب شہود و عیاں اس بات پر متفق ہیں کہ بوسیلہ قدرت و ارادۂ خدائے قدوس، امر کن فیکون

(حاشیہ بقیہ صفحہ گذشتہ) در ذرائر موجودات و افراد ممکنات پس آنحضرت در ذاتِ مصلیان موجود و حاضر است پس مصلی را باید کہ ازیں معنیٰ آگاہ باشد و ازیں شہود و غافل نبود تا با نوار قرب و اسرارِ معرفت متنور و فائز گردد۔ (اشعۃ اللمعات جلد ۱ ص ۴۳۰ مطبوعہ نول کشول)

سے سب سے پہلے جو گوہر مقدس دریائے غیب مکنون سے ساحل شہود پر آیا وہ جوہر بسیط نورانی تھا جسے حکماء کے عرف میں عقل اول کہتے ہیں اور بعض احادیث میں قلمِ اعلیٰ سے اس کو تعبیر کیا گیا ہے اور اکابر ائمہ کشف و تحقیق اسے حقیقتِ محمدیہ کہتے ہیں۔ اس جوہر نورانی نے اپنے آپ کو اور اپنے خالقِ بے مثال کو اور ان تمام افرادِ موجودات کو جو بتوسط اس جوہرِ نورانی کے خالقِ بے مثال سے صادر ہو سکتے ہیں۔ جس طرح وہ افرادِ موجودات پہلے تھے اور اب ہیں اور آئندہ ہوں گے۔ سب کو جملہ کیفیات کے ساتھ بتمام و کمال جان لیا اور تمام حقائق موجودات بطور انطوائے علمی اسی جوہر بسیط نورانی (حقیقت محمدیہ) میں مندرج اور مخفی تھیں جس طرح دانہ ایک خاص طریقہ پر شاخوں پتوں اور پھلوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ کل افراد موجودات اسی ترتیب کے موافق جس کے ساتھ اس جوہر بسیط نورانی میں پوشیدہ ہیں۔ کمین گاہ قوت سے جلوہ گاہِ فعل اور سراپردۂ غیب سے میدان شہود میں (بصورت) مواد خارجیہ ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے مٹا دیتا ہے، جسے چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے۔ ام الکتاب اسی کے پاس ہے۔ (۱) (اخلاقِ جلالی مطبوعہ نول کشور ص ۲۵۶/ ۲۵۷)

اس ایمان افروز بیان سے تصریحاتِ منقولہ بالا کی تائید کے علاوہ مندرجہ ذیل امور بھی واضح ہو گئے۔

ا: حضور ﷺ اولِ خلق ہیں۔

---

(۱) و تحقیق کلام دریں مقام آں است کہ باطباق اصحابِ نظر و برہان و اتفاق اربابِ شہود و اعیان نخستیں گوہر یکہ بامر کن فیکون بوسیلۂ قدرت وارداۃ بیچوں از دریائے غیب مکنون بساحل شہادت آمد جوہری بسیط نورانی بود کہ بعرفِ حکماء آنرا عقلِ اول خوانند و در بعضے اخبار تعبیر ازاں بقلم اعلےٰ رفتہ و اکابر ائمہ کشف و تحقیق آں راں حقیقت محمدیہ خوانند و آں جواہر نورانی خود را و مبدع خود را و ہر چے از مبدع بتوسط او صادر تواند شد از افرادِ موجودات چنانکہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۲: حضور ﷺ عقلِ اول اور قلمِ اعلیٰ ہیں۔

۳: حضور ﷺ جوہر بسیط نورانی ہیں۔

۴: حضور ﷺ تمام کائنات کے حقائق لطیفہ کے جامع ہیں۔

۵: حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کو بھی جانتے ہیں اور تمام موجودات ومخلوقات ان کے جمیع احوال کو بتمام وکمال جانتے ہیں، ماضی، حال، مستقبل میں کوئی شے کسی حال میں ہو حضور ﷺ سے مخفی نہیں۔

۶: تمام موجوداتِ خارجیہ کا ظہور حقیقت محمدیہ سے ہوتا ہے حتیٰ کہ ترتیب ظہور بھی وہی ہے جو حقیقتِ محمدیہ میں مستور ہے۔

ان امور کے علاوہ یہ امر بھی اس عبارت سے ثابت ہوگیا کہ حقیقتِ محمدیہ کوئی امر اعتباری غیر واقعی نہیں بلکہ وہ ایک حقیقتِ ثابتہ ہے اور موجود خارجی ہے جس کو دوسرے لفظوں میں جوہر بسیط نورانی سے تعبیر کیا گیا ہے اور مراتب وجود سے مرتبہ وحدت جسے بعض صوفیائے کرام نے بر بنائے مناسبت اپنی اصطلاح خاص میں حقیقتِ محمدیہ کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے، عباراتِ منقولہ بالا میں ہرگز مراد نہیں کیونکہ مرتبۂ وحدت غیر مخلوق ہے اور حقیقتِ محمدیہ مخلوق، جیسا کہ محقق دوانی کی عبارت زیر نظر اس دعویٰ کی روشن دلیل ہے۔

ان تمام اکابر ائمہ دین وحضراتِ علماء راسخین رضی اللہ عنہم اجمعین حتیٰ کہ

(حاشیہ بقیہ صفحہ گذشتہ) بود وہست وخواہد بود بدانست وتمام حقائق اعیان بر سبیل انطوائے علمی در حقیقت او مندرج ومندمج بود ہمچنانکہ دانہ مشتمل ست بنوعے از اشتمال بر اغصان واوراق واثمار موجودات در مواد عینی بر تلو ہماں ترتیب کہ در آں جوہر مسکن ست از مکمن قوت بمظہر فعل واز کتم غیب بفضائے شہود می آیند یَمْحُو اللّٰهُ مَايَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتَابِ ۱۲

(اخلاقِ جلالی مصنفہ علامہ جلال الدین محقق دوانی مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ص ۲۵۶/۲۵۷)

مخالفین ومعاندین کی منقولہ بالا عبارات صریحہ واضحہ کی روشنی میں کسی منصف مزاج کے دل میں اس امر کے متعلق ادنیٰ تردد باقی نہیں رہ سکتا کہ آیۂ کریمہ ''وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ'' کی صحیح تفسیر وہی ہے جو ہم نے کتب معتبرہ کے حوالہ سے نقل کی جس کی رو سے حقیقتِ محمدیہ کا ذواتِ مصلّین بلکہ تمام ذراتِ کائنات میں جاری وساری ہونا ثابت ہوگیا اور ساتھ ہی یہ بات بھی آفتاب سے زیادہ روشن ہوگئی کہ نماز میں حضور ﷺ کو بصیغۂ خطاب پکارنا اور ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ'' کہنا اسی اصلِ عظیم پر مبنی ہے۔ جس پر آیۂ کریمہ ''وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ'' صاف طور پر دلالت کر رہی ہے نیز یہ اصل عظیم حضور نبی کریم ﷺ کے حاضر وناظر ہونے کی ایسی روشن اور قوی دلیل ہے جس کا انکار کسی گمراہ اور کور باطن کے سوا کوئی دوسرا شخص نہیں کر سکتا۔ وللہ الحمد

مقام حیرت

تعجب ہے کہ صاحب فتح الملہم نے اس مقام پر ہماری پیش کردہ عبارت ''فاذا الحبیب فی حرم الحبیب حاضر'' کو نقل کرنے کے باوجود حضور ﷺ کے حاضر ہونے کا انکار کیا ہے اور نماز میں الفاظِ تشہد ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ'' کے صیغ خطاب کی توجیہ میں کہا ہے کہ یہاں الفاظِ خطاب کا استعمال ایسا ہے جیسے کسی بعید غائب مکتوب الیہ کے لئے خطوط میں خطاب کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ خط لکھتے وقت ہم اس کی موجودگی فرض کر لیتے ہیں اور ہمیں یقین ہوتا ہے کہ ہمارا یہ خط اسے ضرور مل جائے گا حالانکہ وہ اس وقت ہمارے سامنے موجود نہیں ہوتا۔

(فتح الملہم جلد ثانی ص ۴۲)

العیاذ باللہ: حضور سید عالم ﷺ کو ایک عامی، بعید غائب، مکتوب الیہ پر قیاس کرنا اور بارگاہِ رسالت کے تحفہ سلام کو عوام الناس کے سلام و پیام کی طرح ٹھہرانا، پھر دربارِ نبوت میں ہمارا اسلام پہنچنے کے یقین کو ایک عامی مجہول بعید غائب مکتوب الیہ تک خط پہنچنے کے یقین کی مثل قرار دینا، مذہبی بصیرت کی روشنی میں انتہائی کور باطنی، شقاوتِ قلبی اور محروم القسمتی کا نشان ہے۔

دِل لرز جاتا ہے جب اس خوف ناک تشبیہ کو پڑھتے وقت علماءِ راسخین کی عبارات منقولہ بالا کی روشنی میں حضور سید عالم ﷺ کی حقیقتِ مقدسہ کا تمام ذراتِ کائنات میں جاری و ساری ہونا اور حرمِ حبیب میں حبیب کا حاضر ہونا یاد آتا ہے۔

اس باطل توجیہ کے قائلین سے میں دریافت کرتا ہوں کہ بتایئے آج تک کسی معتمد عالمِ دین نے یہ توجیہ کی ہے۔ اگر آپ کے پاس کوئی تصریح موجود ہو تو پیش کیجئے ورنہ اس کے بطلان کو تسلیم کر کے حق کی طرف رجوع فرمایئے۔

پھر ان قائلین سے پوچھتا ہوں کہ آپ جو حضور ﷺ کے سلام کو بعید غائب مکتوب الیہ کے سلام پر قیاس کر رہے ہیں۔ کیا دونوں میں کوئی علت جامعہ موجود ہے؟ کیا بعید غائب مکتوب الیہ کی حقیقت معاذ اللہ حقیقتِ محمدیہ کی طرح حقائق کائنات میں جاری و ساری ہے؟

آپ لوگ بعید غائب مکتوب الیہ تک اپنا خط پہنچنے کو یقینی فرما رہے ہیں۔ اس یقین کے لئے آپ کے پاس کونسی دلیل ہے؟ بسا اوقات قاصد ہمارا خط مکتوب الیہ تک نہیں پہنچاتا، کبھی خط پہنچنے سے پہلے قاصد مر جاتا ہے۔ بسا اوقات خط وصول ہونے سے قبل مکتوب الیہ فوت ہو جاتا ہے، کبھی ہمارے خطوط ضائع بھی ہو جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں یقین کا دعویٰ کس قدر مضحکہ خیز ہے؟ پھر ایسے مضحکہ خیز یقین کو ایسے بلند مقام پر پہنچانا کہ بارگاہِ نبوت میں نمازیوں کے سلام پہنچنے کے یقین کو معاذ اللہ اس کی

مثل قرار دے دینا مولوی شبیر احمد صاحب دیوبندی ہی سے متصور ہو سکتا ہے۔ اہل بصیرت مسلمان تو اس قول کو بارگاہِ نبوت سے دوری اور محجوبی کی دلیل سمجھتا ہے۔

اس کے بعد اسی سلام تشہد کی بحث میں صاحب فتح الملہم نے عرف شذی سے ایک قول نقل کیا ہے جو علم و عقل، انصاف و دیانت کی روشنی میں صاحب فتح الملہم کے قول سے بھی گیا گزرا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ”الفاظِ خطاب زبانِ عرب میں مخاطب کی خیالی صورت کو ذہن میں حاضر کرنے کیلئے (وضع کئے گئے) ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ مخاطب کو اس کا علم ہو۔“ اس کے متعلق عرض ہے کہ انور شاہ صاحب کی اس غلطی کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے خطاب ونداء کے عام استعمالات کو بالکل سطحی نظر سے دیکھا۔ غور و فکر سے کام لینے کی کوشش نہ کی۔

درحقیقت خطاب وحضور کے صیغوں اور نداء کے الفاظ کا استعمال دو طریقوں سے ہوتا ہے۔ ایک اصل کے مطابق دوسرے خلافِ اصل، کسی استعمال کو اصل کے مطابق قرار دینے کیلئے دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ اصل محتاج دلیل نہیں اور خلافِ اصل قرار دینا محتاجِ دلیل ہوتا ہے اس لئے کہ عدول عن الاصل بغیر دلیل کے جائز نہیں۔

مخاطب میں اصل یہ ہے کہ وہ حاضر ہو۔ علم صرف پڑھنے والے مبتدی بھی جانتے ہیں کہ اصل ابحاث صرف میں خطاب وغیبت کے صیغوں کو حاضر وغیب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ البتہ بعض اوقات غیر مخاطب کو بمنزلہ مخاطب اور غائب کو بمنزلہ حاضر نازل کر کے حاضر و مخاطب کے صیغے استعمال کئے جاتے ہیں مگر یہ استعمال بداہۃً خلافِ اصل اور محتاجِ دلیل ہے اس لئے انور شاہ صاحب کا فرض تھا کہ وہ ”اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ“ میں الفاظ خطاب کے استعمال کو خلافِ اصل ثابت کرنے کے لئے کوئی دلیل قائم کرتے لیکن الحمدللہ! وہ اقامتِ برہان سے عاجز رہے اور انشاء

اللہ العزیز ان کے اذناب واتباع بھی عاجز رہیں گے، تو اچھی طرح واضح ہو گیا کہ سلام تشہد میں الفاظِ خطاب کا استعمال اصل کے مطابق ہے اور حضور نبی کریم ﷺ جو سلام تشہد میں ہمارے مخاطب ہیں، فی الواقع حاضر و موجود اور حرم حبیب میں جلوہ گر ہیں جب وہ تشریف فرما ہیں تو ناممکن ہے کہ ہمارے خطاب و نداء سے بے خبر رہیں۔

پھر یہ کہ جس طرح خطاب میں اصل حضور ہے بالکل اسی طرح نداء میں ‘‘منادیٰ کو بلانا اور اپنی پکار سنا کر اسے اپنی طرف متوجہ کرنا’’ اصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایسی چیزوں کو ندا کی جاتی ہے جن میں منادیٰ ہونے کی صلاحیت نہیں ہوتی تو پہلے انہیں صلاحیتِ نداء رکھنے والی چیزوں کے منزلہ میں نازل کیا جاتا ہے اس کے بعد حرفِ نداء ان پر داخل کرتے ہیں جیسے ‘‘یا جبال، یا ارض، یا ظبیات القاع’’ کہ انہیں پکارنے والے کی طرف متوجہ ہونے کی صلاحیت رکھنے والے کے منزل میں نازل کرنے کے بعد نداء کی گئی ہے جیسا کہ شرح ملا جامی میں بالتفصیل مرقوم ہے۔

ثابت ہوا کہ منادیٰ میں پکارنے والے کی پکار کو سننے اور متوجہ ہونے کی صلاحیت نہ رکھنا خلاف اصل ہے۔ اور خلافِ اصل ہمیشہ محتاج دلیل ہوتا ہے اس لئے یا جبال یا ارض، یا ظبیات القاع وغیرہا اس قسم کی تمام مثالوں میں منادیٰ کا پکارنے والے کی نداء سے بے خبر رہنا اور اس کی طرف متوجہ نہ ہونا خلاف اصل ہے جس پر ان کا ظاہر حال دلیل ہے کہ بالبداہت ان میں جاننے، سننے اور متوجہ ہونے کی صلاحیت موجود نہیں۔

ناظرین کرام غور فرمائیں کیا مٹی، پتھر کی طرح معاذ اللہ حضور ﷺ کی ذاتِ مقدسہ سے بھی علم و ادراک اور متوجہ ہونے کی صلاحیت کی نفی ہو سکتی ہے۔ کیا کسی ذی ہوش کے نزدیک معاذ اللہ حضور ﷺ کا ظاہر حال بھی مٹی پتھر اور جنگل کے ہرنوں جیسا ہو سکتا ہے۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو ‘‘اَلسَّلامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ’’ کا

قیاس یا جبال، یا ارض اوریا ظبیات القاع پر کیسے صحیح ہوا؟ اور سلام تشہد میں الفاظِ خطاب کے خلاف اصل استعمال پر کونسی دلیل قائم ہوئی، جب کوئی دلیل خلافِ اصل استعمال پر قائم نہ ہوسکی تو ثابت ہوگیا کہ یہاں الفاظ خطاب وندا کا استعمال عین اصل کے مطابق ہے اور ان الفاظ کی تعلیم میں یہی حکمت ہے کہ حضور ﷺ حرم حبیب میں حاضر ہیں اور سلام عرض کرنے والوں کی طرف ضرور متوجہ ہوتے ہیں۔ وللہ الحمد.

رہا یہ امر کہ انور شاہ صاحب نے عرف شذی میں ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ'' کی مثال میں واجبلاہ، واویلاہ اور یازیداہ کو پیش کیا ہے تو اس کے جواب میں صرف اتنا عرض کردینا کافی ہے کہ شاہ صاحب کو یہ شور وفغاں اور واویلاہ کی ضرورت صرف اس لئے پیش آئی کہ اسی مقام پر علماء عارفین ''فاذا الحبیب فی حرم الحبیب حاضر'' فرما چکے ہیں جو شاہ صاحب کے لئے ایک مصیبت عظمیٰ ہے اور مصیبت کے وقت ہر شخص گریہ وزاری کے ساتھ واویلاہ پکارا کرتا ہے۔ اس لئے شاہ صاحب کی زبان پر بھی بے ساختہ واویلا جاری ہوگیا اور شدت آہ وبکا میں انہیں اتنی بات بھی یاد نہ رہی کہ ان تینوں مثالوں میں ندبہ ہے ندا نہیں۔ وہ یہ بھی بھول گئے کہ ندا کے معنی ہیں پکارنا اور ندبہ کے معنی ہیں رونا، چلانا اور وہ شدت الم میں یہ بھی نہ سمجھ سکے کہ یا زیداہ میں حرف ''یا'' بمعنی ''و'' ہے اور ''و'' رونے چلانے کے وقت صرف آواز بلند کرنے کے بولا جاتا ہے، اس سے ندا مقصود نہیں ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح محبت محبوب کے عیب کی طرف سے اندھا اور بہرا کردیتی ہے۔ اسی طرح بغض بھی مبغوض کے حسن وجمال کی طرف سے اندھا اور بہرا بنا دیتا ہے۔

کیا کسی اہل ایمان کے تصور میں بھی یہ بات آسکتی ہے کہ ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ'' میں جس طرح خطاب اور ندا کے الفاظ مستعمل ہیں معاذ اللہ

اسی طرح واجبلاہ اور واویلاہ اور یازیداہ میں بھی ندبہ کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

ع۔ بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

اس بحث میں ہمارے مخالفین یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ ہم حضور ﷺ کی حیات ظاہری میں التحیات میں ''اَلسَّلامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ'' پڑھا کرتے تھے، جب حضور سید عالم ﷺ کا وصال ہوگیا تو ہم ''اَلسَّلامُ عَلَی النَّبِیِّ'' پڑھنے لگے۔ اس روایت سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ حاضر و ناظر نہیں ورنہ بعد الوفات بھی خطاب کا صیغہ باقی رہتا۔

اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔

اول یہ کہ اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ بعد الوفاۃ صیغہ خطاب اس لئے باقی نہیں رہا کہ حضور ﷺ حاضر و ناظر نہیں تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ظاہری حیات میں جب کہ ''اَلسَّلامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ'' پڑھا جاتا تھا معترض بتائے کہ حاضر و ناظر تھے یا نہیں؟ بر تقدیر اول معترض خود اپنے قول سے مشرک قرار پائے گا، اس لئے کہ جب حضور کا حاضر و ناظر ہونا شرک ہے تو وہ حیات ظاہری میں بھی شرک ہوگا کیونکہ شرک کسی صورت میں بھی توحید نہیں ہوسکتا اور بر تقدیرِ ثانی صیغہ خطاب کو بدلنا بے فائدہ ہوگا کیونکہ صیغہ خطاب بزعمِ معترض جس طرح حضور ﷺ کی حیات ظاہری میں حضور کے حاضر و ناظر ہونے پر دلالت نہیں کرتا اسی طرح حضور ﷺ کی حیاتِ ظاہری کے بعد بھی حاضر و ناظر کے معنی پر دلالت نہ ہوگی۔ پھر خطاب سے غیب کی طرف عدول کرنے کا کیا فائدہ؟ ثابت ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی روایت کا یہ مطلب ہی نہیں کہ ہم نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد اَلسَّلامُ عَلَیْکَ چھوڑ دیا تھا بلکہ اس کے معنی وہی ہیں جو محققین نے بیان کئے ہیں اور ان شاء اللہ العزیز ہم

آگے چل کر ان کی تفصیل عرض کریں گے۔

دوم یہ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی روایت کے یہ معنی کہ ہم حضور ﷺ کی حیات میں ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ'' کہا کرتے تھے، حضور ﷺ کی وفات کے بعد ہم نے ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ'' کی بجائے ''اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ'' کہنا شروع کر دیا انتہائی مضحکہ خیز ہیں اور عقل و درایت کی روشنی میں قطعاً ناقابلِ قبول! اس لئے کہ حسبِ زعمِ مخالف اس کی وجہ یہی ہے کہ بعد الوفاۃ جب حضور ﷺ امت سے غائب ہو گئے تو خطاب کا محل باقی نہ رہا۔ غائب کو حاضر کے صیغہ سے مخاطب کرنا درست نہیں۔ لہٰذا صحابہ کرام نے خطاب کو چھوڑ کر غیب کا عنوان اختیار کرلیا۔

میں عرض کروں گا کہ اگر ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ'' میں خطاب و نداء کے معنی کو تسلیم کیا جائے تو حضور ﷺ کے زمانہ میں بھی اس کا پڑھنا درست نہ ہوگا۔ چہ جائیکہ بعد الوفاۃ اور خطاب کے الفاظ دراصل منادیٰ اور مخاطب کو سنانے کیلئے بولے جاتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ سینکڑوں مسلمان عہد رسالت میں دور دراز مقامات پر نمازیں پڑھتے تھے۔ معترضین کے مذہب کی رو سے ان کے اس خطاب وندا کو حضور ﷺ کسی طرح نہیں سن سکتے بلکہ بزعم مخالفین اپنے ہمراہ نماز پڑھنے والوں کا بھی یہ خطاب حضور نہیں سن سکتے کیونکہ نماز میں التحیات جہراً نہیں پڑھی جاتی بلکہ سرّاً (خفیہ اور آہستہ) پڑھی جاتی ہے۔ جس کا سننا وہابیہ کے نزدیک حضور کے لئے قطعاً جائز نہیں لہٰذا نمازیوں سے غائب ہونے اور ان کے الفاظ ندا و خطاب کو نہ سننے کے اعتبار سے حیات اور بعد الوفات دونوں زمانے یکساں قرار پائے پھر صحابہ کا ایک زمانہ میں الفاظِ خطاب کو پڑھنا اور دوسرے میں ترک کر دینا عقل و خرد، فہم و درایت کی روشنی میں کیونکر صحیح ہوسکتا ہے اور اگر اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ میں خطاب وندا کے معنی کو تسلیم نہ

کیا جائے تو بعد الوفاۃ اسے ترک کر کے اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیُّ پڑھنا بالکل مضحکہ خیز ہوگا اس لئے کہ الفاظ خطاب سے عدول کی وجہ یہی تھی کہ اس میں خطاب کے معنی پائے جاتے ہیں، جب ان معنی کو تسلیم ہی نہ کیا گیا تو الفاظ ترک کرنا بے فائدہ نہیں تو اور کیا ہے؟

سوم یہ کہ الفاظ حدیث میں خطاب چھوڑنے پر دلالت نہیں پائی جاتی جس سے مخالفین کو استدلال کا موقع ہاتھ آئے۔ دیکھئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ المفاتیح میں فرماتے ہیں کہ

> ”حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا یہ قول کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی حیات میں ”اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ“ کہتے تھے جب حضور ﷺ کی وفات ہوگئی تو ہم نے ”اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ“ کہا“ ابوعوانہ کی روایت ہے۔ بخاری کی روایت میں جو اس کی مقابل اصح ہے یہ الفاظ نہیں۔ بخاری شریف کے الفاظ یہ ہے ”فَلَمَّا قُبِضَ قُلْنَا سَلَامٌ یَعْنِیْ عَلَی النَّبِیِّ جب حضور ﷺ کی وفات ہوگئی تو ہم نے سلام کہا یعنی نبی کریم ﷺ پر۔“
>
> بخاری کی اس روایت نے بیان کر دیا کہ یہ قول حضرت عبداللہ بن مسعود کا نہیں بلکہ راوی کا قول ہے اس نے اپنی فہم کے مطابق اپنے لفظوں میں بیان کر دیا اور اس قول میں بھی دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ جس طرح حضور ﷺ کی حیات ظاہری میں ہم اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کہا کرتے تھے اسی طرح حضور ﷺ کی وفات کے بعد کہتے رہے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ ہم نے خطاب چھوڑ دیا، جب الفاظ احتمال پیدا ہو گیا تو دلالت (قطعیہ) باقی نہ رہی۔“ (۱) (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(مرقاۃ جلد ۲ ص ۳۳۲ مطبوعہ ملتان)

ملا قاری کی اس عبارت سے واضح ہوگیا کہ ابوعوانہ کی روایت سے مخالفین کا استدلال قطعاً باطل ہے۔ وللہ الحمد۔

چہارم یہ کہ حضور ﷺ صحابہ کرام کو سورۃ قرآنیہ کی طرح اس تشہد کی تعلیم دیتے تھے جس میں ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ'' کے الفاظ ہیں۔ دیکھئے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں ''حضور نبی کریم ﷺ ہمیں تشہد سکھاتے تھے جیسے قرآن کی سورت سکھاتے تھے۔'' (مسلم شریف جلد اوّل ص ۱۷۴) (۲)

بلکہ خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ کی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان میری ہتھیلی تھی حضور ﷺ نے اس وقت تشہد سکھایا جیسے قرآن کی سورت مجھے سکھاتے تھے۔ (مسلم شریف جلد ۱ ص ۱۷۴) (۳)

ناظرین کرام غور فرمائیں کہ ایسے عظیم الشان اہتمام کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے تعلیم فرمائے ہوئے الفاظ کو محض اپنے خیال سے بدل دینا کتنی بڑی جسارت ہے۔ صحابہ کرام سے اس قسم کی دیدہ دلیری کسی طرح متصور نہیں ہوسکتی ورنہ احتمال پیدا

---

(۱) واما قول ابن مسعود کنا نقول فی حیاۃ رسول اللہ ﷺ السلام علیک ایھا النبی فلما قبض علیہ السلام قلنا السلام علی النبی فھو روایۃ ابی عوانۃ وروایۃ البخاری الاصح منھا بینت ان ذٰلک لیس من قول ابن مسعود بل من فھم الراوی عنہ ولفظھا فلما قبض قلنا السلام یعنی علی النبی فقولہ قلنا السلام یحتمل انہ ارادبہ استمررنا بہ علی ما کنا علیہ فی حیاتہ ویحتمل انہ ارادا عرضنا عن الخطاب واذا احتمل اللفظ لم یبق فیہ ولالۃ کذا ذکرہ ابن حجر ۱۲ (مرقاۃ المفاتیح جلد ۲ ص ۳۳۲ مطبوعہ ملتان) (۲) کان رسول اللہ ﷺ یعلمنا التشھد کما یعلنا السورۃ من القرآن ۱۲ (مسلم شریف ص ۱۷۴ جلد اول) (۳) علمنی رسول اللہ ﷺ التشھد کفی بین کفیہ کما یعلمنی السورۃ من القرآن ۱۲ (مسلم شریف ص ۱۷۴ جلد اول)

ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کی قطعی طور پر سکھائی ہوئی چیزوں کو صحابہ کرام نے حضور ﷺ کی وفات شریف کے بعد محض اپنے خیال اور قیاس سے بدل دیا معاذ اللہ: ایسی صورت میں سارا دین اس احتمال کی لپیٹ میں آجائے گا جس کا تصور بھی کسی مسلمان کے لئے گوارا نہیں ہوسکتا۔

پنجم یہ کہ حضور ﷺ کی وفات شریف کے بعد جمہور صحابہ کرام ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ'' پڑھتے تھے۔ جیسا کہ عرف شذی میں شرح منہاج سے سبکی کا قول نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جمہور صحابہ کرام حیات اور بعد الوفات دونوں حالتوں میں ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ'' پڑھتے تھے۔ (ملاحظہ فرمایئے عرف شذی ص ۱۳۹)

علاوہ ازیں ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے مذہب میں یہی تشہد نماز میں پڑھا جاتا ہے جس میں ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ'' کے الفاظ ہیں۔ ثابت ہوا کہ حضور نبی کریم ﷺ کو نماز میں مخاطب کرنا عین حق وصواب ہے اور اس کی نفی پر کوئی دلیل موجود نہیں۔ ولله الحجة السامیه۔

اس کے بعد مخالفین کا ایک اعتراض باقی رہ جاتا ہے اس کا جواب دیکر اس بحث کو ختم کرتا ہوں۔ مخالفین کہتے ہیں کہ نماز میں جو ہم ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ'' کہتے ہیں اس میں حضور کو مخاطب نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ نے شب معراج جو حضور ﷺ کو مخاطب فرما کر ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ'' فرمایا تھا اس سلام و خطاب کی حکایت کرتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مخالفین کا سلام تشہد کو واقعہ معراج کی حکایت قرار دینا مخالفین کے اپنے اصول و مسلمات کے خلاف ہے اس لئے کہ وہ علی الاطلاق کسی ایسی روایت کو نہیں مانتے جس کی سند موجود نہ ہو بخلاف ہمارے کہ ہم ابوابِ فضائل و

مناقب میں ان روایات کو تسلیم کرتے ہیں جن کی سند ہمارے سامنے نہ ہو مگر علماء محدثین یا فقہائے معتبرین و دیگر علمائے معتمد علیہم نے انہیں قبول کیا ہو۔

جس روایت کے پیش نظر یہ کہا جاتا ہے کہ سلام تشہد واقعہ معراج کی حکایت ہے اس کی کوئی سند نہیں اگر ہے تو پیش کیجئے۔ آپ کے مولوی انور شاہ صاحب عرف شذی میں ص ۱۳۹ پر اس روایت کے متعلق کہتے ہیں ولکنی لم اجد سند هذہِ الروایه "یعنی اس روایت کی سند میں نے نہیں پائی"

اب بتایئے بے سندی روایت پر آپ کے مسلمات کی روشنی میں اس حکایت کا حکم کیسے قائم ہوگا۔

علاوہ ازیں بخاری شریف میں حدیث تشہد کے آخر میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد مبارک مخالفین کے اعتراض کا قلع قمع کر رہا ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں۔

"فَاِنَّکُمْ اِذَا قُلْتُمُوْهَا اَصَابَتْ کُلَّ عَبْدٍ صَالِحٍ فِی السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ (بخاری جلد ۱، ص ۱۱۵) جب تم (یہ الفاظ) سلام کہہ لیتے ہو تو وہ زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کے ہر نیک بندے کو پہنچ جاتے ہیں۔" ظاہر ہے کہ نقل و حکایت کی تقدیر پر سلام پہنچنے کے کوئی معنٰی ہی نہیں رہتے۔ سلام پہنچنا اسی صورت میں متصور ہے جب کہ اپنی طرف سے انشاء سلام کی نیت ہو۔

کلام کو مختصر کرنے کے لئے ہم ایک تحقیقی بات تحریر کرتے ہیں۔ امید ہے ناظرین کرام اسے بغور ملاحظہ فرما کر حق و باطل میں امتیاز فرمائیں گے۔

اور وہ یہ ہے کہ جن عبارات میں سلام تشہد کا علی سبیل الحکایت ہونا وارد ہے وہاں مجرد حکایت مراد نہیں بلکہ حکایت علی طریق الانشاء مراد ہے یعنی چونکہ اللہ تعالیٰ نے شب معراج میں نبی کریم ﷺ کو "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ" کے ساتھ مخاطب فرمایا تھا لہٰذا نمازی کو بھی چاہئے کہ حرمِ حبیب میں حبیب کو حاضر پا کر واقعۂ

معراج کے مطابق بہ نیت انشاء سلام نبی کریم ﷺ کو ”اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ“ کے ساتھ مخاطب کرے۔ نہ یہ کہ صرف اللہ تعالیٰ کے سلام کی نقل و حکایت ہو اور نمازی خود اپنی جانب سے حضور ﷺ پر انشاء سلام کی نیت نہ کرے۔ معاذ اللہ ایسا کہنا تمام محدثین و فقہا بلکہ ساری امت مسلمہ کے خلاف چل کر سبیل مومنین سے اعراض کرنا اور جہنم کی طرف جانا ہے۔ ہمارے حضرات اہل سنت مقلدین کرام کو تو ایک طرف رکھیے، غیر مقلدین سے پوچھیے تو وہ بھی مجرد حکایت کے قائل نہیں۔ دیکھیے عون المعبود میں ”اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ“ کے تحت مرقوم ہے۔

فان قیل کیف شرع ھٰذا اللفظ وھو خطاب بشر مع کونہ منھیا عنہ فی الصلوٰۃ فالجواب ان ذالک من خصائصہ ﷺ“

(عون المعبود جلد ا ص ۳۶۵)

یعنی اگر کہا جائے کہ ”اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ“ کیسے مشروع ہوا حالانکہ وہ خطابِ بشر ہے اور خطابِ بشر نماز میں جائز نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضور ﷺ کی خصوصیات سے ہے۔

دیکھیے اگر یہاں مجرد حکایت ہوتی تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا کیونکہ محض بطریق حکایت تو ”یا آدم، یا نوح، یا ابراھیم، یا موسیٰ“ حتیٰ کہ یا ھامان بھی قرآن مجید میں وارد ہے اور وہ الفاظ قرأتِ قرآن کے اثناء میں نمازوں میں پڑھے جاتے ہیں اور ان کا پڑھنا مفسدِ صلوٰۃ نہیں۔

پھر حضور ﷺ کی خصوصیت کا قول کرنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ معلوم ہوا کہ غیر مقلدین کے نزدیک بھی سلامِ تشہد میں خطاب اور انشاء کا ہونا ضروری ہے۔ مجرد حکایت کا قول قطعاً باطل اور مردود ہے۔

علیٰ ھٰذا القیاس علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی مضمون کو مختصر الفاظ میں ادا کیا ہے۔ علامہ موصوف حضور سید عالم ﷺ کے خصائص کے بیان میں فرماتے ہیں۔ ''ومنها ان المصلی یخاطبه بقوله اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ ولا یخاطب غیره'' یعنی نبی کریم ﷺ کی خصوصیت سے یہ امر بھی ہے کہ نمازی اپنے قول ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ'' کے ساتھ حضور ﷺ کو خطاب کرتا ہے اور حضور کے غیر کو خطاب نہیں کر سکتا۔ (مواہب اللدنیہ جلد ۱ ص ۴۴۴)

محدثین کے بعد فقہاء کرام کی طرف آیئے اور ان کی عباراتِ جلیلہ کو دیکھئے پھر آپ کو معلوم ہو گا کہ مجرد حکایت کا قول مردود ہے یا نہیں؟

درمختار میں ہے۔ (۱)

''نمازی الفاظِ تشہد سے ان معنیٰ کا قصد کرے جو اس کی مراد ہیں اور یہ قصد علی وجہ الانشاء ہو گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تحفے پیش کر رہا ہے اور اپنے نبی کریم ﷺ پر اور خود اپنی ذات اور اولیاء اللہ پر سلام پیش کر رہا ہے اخبار اور حکایت سلام کی نیت ہرگز نہ کرے۔ اس کو مجتبیٰ میں ذکر کیا اور اس کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ ''علینا'' کی ضمیر تمام حاضرین کے لئے ہے، سلام تشہد بہ نیت انشاء کہا جائے اللہ تعالیٰ کے سلام کی نقل و حکایت کا ارادہ نہ ہو۔''

(درمختار جلد ۱ ص ۳۷۷)

---

(۱) و یقصد بالفاظ التشهد معانیها مرادةً له علی وجه (الانشاء) کانه یحی اللّٰه تعالیٰ ویسلم علی نبیه وعلی نفسه واولیائه (لاالاخبار) عن ذالک ذکره فی المجتبی وظاهره ان ضمیر علینا للحاضرین لا حکایة سلام اللّٰه تعالیٰ

(درمختار جلد ۱ ص ۴۷۶) طبع مصر

علامہ شامی اس کے تحت فرماتے ہیں کہ (۱)

’’مصنف کے قول (لا الاخبار عن ذلک) کے معنیٰ یہ ہیں کہ نمازی تشہد میں اس واقعہ کی نقل و حکایت کا ارادہ نہ کرے جو معراج میں حضور ﷺ اور اللہ تعالیٰ سبحانہٗ اور فرشتوں سے واقع ہوا تھا۔‘‘

(شامی جلد ا ص ۳۷۷)

صاحب درمختار اور علامہ شامی دونوں نے مجرد حکایت و اخبار کے قول کو رد فرما کر انشاء سلام کے قصد کو متعین فرما دیا۔

عالمگیری میں ہے (۲)

’’نمازی کے لئے الفاظِ تشہد کے معانی موضوعہ کا اپنی طرف سے بطور انشاء مراد لینا اور ان کا قصد کرنا ضروری ہے۔ گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو تحفے پیش کر رہا ہے اور نبی کریم ﷺ اور اپنی ذات و اولیاء کرام پر سلام عرض کر رہا ہے۔ (عالمگیری جلد ا مطبوعہ مجیدی کانپور ص ۳۷)

الدر المنتقیٰ فی شرح الملتقیٰ جلد اول ص ۱۰۰ پر ہے لا بدان یقصد بالفاظ التشہد الانشاء یعنی الفاظِ تشہد سے انشاء کا قصد کرنا ضروری اور لا بدی ہے۔

مراقی الفلاح ص ۱۵۵ میں قصد انشاء کو ضروری قرار دے کر آخر میں فرمایا۔

---

(۱)(قولہ لا الاخبار عن ذلک) ای لا یقصد الاخبار والحکایۃ عما وقع فی المعراج منہ ﷺ ومن ربی سبحانہ ومن الملائکۃ علیہم السلام (شامی جلد ا ص ۳۷۷)

(۲)ولابد من ان یقصد بالفاظ التشہد معانیہا التی وضعت لہا من عندہ کانہ یحی اللہ تعالیٰ ویسلم علی النبی ﷺ وعلی نفسہ واولیاء اللہ تعالیٰ کذا فی الزاھدی ۱۲ (عالمگیری جلد ا ص ۷۲، مطبوعہ پاکستان)

”خلافا لماقاله بعضهم انه حكاية سلام الله لا ابتداء سلام من المصلی“ یعنی نمازی کی یہ نیت انشاء سلام اس قول کے خلاف ضروری ہونی چاہئے جو بعض لوگوں نے کہہ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سلام کی حکایت ہو، نمازی اپنی طرف سے ابتداء سلام کی نیت نہ کرے۔ ملاحظہ ہو۔ (مراقی الفلاح ص ۱۵۵)

ان تمام عبارات سے یہ مسئلہ اظہر من الشمس ہوگیا کہ ”اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ“ میں صرف حکایت معراج کا قصد کرنا جائز نہیں بلکہ انشاءِ سلام اور خطاب کی نیت بھی ضروری ہے۔

آخر میں دیوبندیوں کے ایک مقتدا کی عبارت نقل کر کے آخری حجت تمام کرتا ہوں۔ ناظرین کرام بغور ملاحظہ فرمائیں۔

اوجز المسالک جلد ۱ ص ۲۶۵ پر ہے (۱)

”اس توجیہہ پر کاف خطاب، حکایت کو اس کی اصل پر باقی رکھنے کے لئے ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ اس وقت نمازی ان الفاظ سے انشاء سلام کا قصد کرے۔ مجرد حکایت کا ارادہ ہرگز نہ ہو۔ علامہ شامی نے کہا کہ نمازی الفاظِ تشہد سے ان کے مرادی معنے کا انشاءً کے طریقے پر قصد

---

(۱) وعلیٰ هذا التوجيه فالكاف ابقاء للحكاية على اصلها ولكن ينبغی ان يقصد بكلامه هذا حينئذ الانشاء لا مجرد الحكاية قال الشامی ويقصد بالفاظ التشهد معانيها مرادة له على وجه الانشاء كانه يحی الله تعالیٰ و يسلم على نبيه ﷺ وعلیٰ نفسه واوليائه ولا يقصد الاخبار والحكاية عما وقع فی المعراج عنه ﷺ انتهى فعلم بهذا ان للمشائخ فی توجيه الخطاب ثلثة اقوال مجرد الاتباع وكون الحبيب فی حريم الحبيب وحكاية ما فی المعراج علیٰ طريق الانشاء. ۱۲ (اوجز المسالک جلد ۱ ص ۲۶۵)

کرے گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو تحفے پیش کر رہا ہے اور نبی کریم ﷺ اور اپنی ذات و اولیائے کرام پر سلام عرض کر رہا ہے اور اس واقعہ کی نقل و حکایت کا بالکل ارادہ نہ کرے جو حضور ﷺ سے معراج میں واقع ہوا تھا۔ اس قول سے معلوم ہوا کہ خطاب کی توجیہہ میں مشائخ کے تین قول ہیں۔ مجرد اتباع اور حبیب کا حریم حبیب میں حاضر ہونا اور انشاء کے طریق پر واقعۂ معراج کی حکایت کرنا۔”

الحمدللہ! اس عبارت سے ہمارے لکھے ہوئے مسائل بالکل واضح ہو گئے۔ سلام تشہد میں حکایت علی طریق الانشاء بھی ثابت ہو گیا اور توجیہ خطاب میں “فاذا الحبیب فی حریم الحبیب” بھی مذکور ہو گیا۔ اگر مخالفین اس بیان کو عقل وانصاف کی روشنی میں پڑھیں تو انہیں ہمارے مسلک کی حقانیت میں ذرہ برابر شبہ نہیں رہ سکتا۔

اس تمام بحث کے آخر میں اتنی بات اور عرض کر دوں کہ جب دلائل کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو گئی کہ نمازی کا التحیات میں “اَلسَّلامُ عَلَیکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ” کہنا اس امر پر مبنی ہے کہ دربارِ خداوندی میں نبی کریم ﷺ حاضر ہیں تو یہ بات بالکل روشن ہو جاتی ہے کہ کوئی مقام اور کوئی وقت حضور ﷺ سے خالی نہیں کیونکہ دِن میں، رات میں، مشرق و مغرب میں، سفر و حضر میں، زمین کے کسی گوشے پر، پہاڑ کی چوٹی پر یا ریت کے ٹیلے پر، سمندر میں، ہوائی جہاز میں، جہاں کہیں اس نے نماز کی نیت باندھی فوراً دربارِ خداوندی میں حاضر ہو گیا اور جب وہ حریم ذات میں پہنچا تو حریم حبیب میں حبیب کو حاضر پایا یعنی اللہ تعالیٰ کے دربار میں حضور ﷺ حاضر ملے، تو صاف ظاہر ہو گیا کہ حضور ﷺ کسی سے دور نہیں۔ البتہ ہم لوگ حضور ﷺ سے اس لئے دور ہو سکتے ہیں کہ ہم اس دربار میں حاضر نہیں ہوتے۔

رہا یہ امر کہ ہر نمازی کو حضور ﷺ نماز میں نظر نہیں آتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہماری نظر کا قصور ہے۔ جن اہل بصیرت کو اللہ تعالیٰ نے یہ نور عطا فرمایا ہے وہ دیکھتے ہیں ہمیں لازم ہے کہ اگر خود دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتے تو دیکھنے والے کی بات مان لیں۔ کعبہ کو بہت کم لوگوں نے دیکھا ہے مگر نماز کی نیت باندھتے وقت ہر شخص کہتا ہے "میرا منہ کعبہ شریف کی طرف" یہ کہنا اسی لئے ہے کہ کعبہ دیکھنے والوں کے قول کو تسلیم کرلیا ورنہ ہمیں بغیر دیکھے کیا معلوم کہ کعبہ کی طرف کون سی ہے؟ پس اگر حضور ﷺ کے حق میں بھی عارفین کا قول تسلیم کرلیا جائے تو کون سی قباحت ہے؟

اس کے ساتھ یہ امر بھی ذہن نشین کرلینا چاہیے کہ بحکم قرآن و حدیث نمازی پر حضور ﷺ کی اجابت فرض ہے اور حضور ﷺ سے بحالت نماز بولنا بھی مفسدِ صلوٰۃ نہیں حالانکہ حضور ﷺ کے علاوہ ہر شخص سے بحالت نماز بات کرنا مفسد صلوٰۃ ہے بلکہ اگر یوں کہہ دیا جائے کہ نماز میں حضور ﷺ سے بات کرنا واجب ہے تب بھی کوئی قباحت لازم نہیں آتی کیونکہ تشہد واجب ہے اور اسی تشہد میں ہی "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ" بھی ہے اور ظاہر ہے کہ خطاب کے ساتھ انشاء سلام یقیناً کلام ہے تو نماز میں حضور ﷺ سے سلام و کلام کا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہونا اس امر کی روشن دلیل ہے کہ حضور ﷺ حرمِ حبیب میں ضرور حاضر ہیں کیونکہ غیر سے کلام کرنا اسی لئے مفسد صلوٰۃ ہے کہ جب غیر سے کلام کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ کے دربار سے اعراض ہوگا۔

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ دربارِ خداوندی سے الگ نہیں ورنہ ان کو مخاطب کرنے سے بھی حریم الٰہی سے اعراض ہوتا اور نماز فاسد ہوجاتی لیکن ایسا نہیں ہوتا۔

ثابت ہوا کہ مشائخ کا حرمِ حبیب میں حبیب کو حاضر ماننا عین حق وصواب ہے اور جن لوگوں نے اپنی بے بصری کی بناء پر اس کا انکار کیا ہے وہ نماز کی حقیقت سے بالکل بے

خبر ہیں۔

الحمدللّٰہ علی احسانہٖ آیت کریمہ ''وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ O'' کی روشنی میں یہ تمام مضامین سلسلہ وار سامنے آتے رہے اور ہمارے ناظرین کرام اس مرحلہ تک پہنچ گئے کہ حرم حبیب میں حبیب کو حاضر پالیا۔ اہل بصیرت اور احباب فہم وفراست کے لئے یہ مضمون انشاء اللہ العزیز نہایت مفید اور دلکش ثابت ہوگا۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

سید احمد سعید کاظمی غفرلہٗ

حصہ دوم

دعویٰ یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ حاضر ناظر ہیں۔ جسمانیت اور بشریت کے ساتھ نہیں بلکہ بایں طور کہ عالم کا ذرہ ذرہ روحانیت و نورانیت نبی کریم ﷺ کی جلوہ گاہ ہے اور روحانیت و نورانیت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ و التحیہ کے لئے قرب اور بعد مکان یکساں ہے۔ کیوں کہ عالم خلق زمان و مکان کی قید سے مقید ہوتا ہے لیکن عالم امر ان قیود سے پاک ہے لہٰذا بیک وقت متعدد مقامات پر رسول اللہ ﷺ کا تشریف فرما ہونا اور ایک ہی وقت میں دور دراز مقامات کثیرہ اور امکنہ متعددہ میں حضور نبی کریم ﷺ کو اہل اللہ کا دیکھنا اور کھلم کھلا بیداری میں حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہونا دلائل کی روشنی میں ایسا واضح امر ہے جس کا انکار کوئی متدین مسلمان نہیں کرسکتا۔ اس دعویٰ کی تنقیحات حسب ذیل ہیں۔

۱: نبی کریم ﷺ نور ہیں۔

۲: نبی کریم ﷺ تمام دنیا کو اپنی نظر مبارک سے دیکھ رہے ہیں۔

۳: مقامات کثیرہ و امکنہ متعددہ میں حضور ﷺ کا تشریف فرما ہونا نہ صرف ممکن بلکہ امر واقع ہے۔

اب ان تنقیحات پر نمبر وار دلائل ملاحظہ فرمایئے

تنقیح نمبر ۱

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتَابٌ مُّبِیْنٌ ۝ جاالین

شریف میں اس آیت کے تحت ہے (قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ) ھُوَ النَّبِیُّ ﷺ علامہ صاوی اس پر فرماتے ہیں سمی نورا لانہ اصل کل نور حسی و معنوی۔

ترمذی شریف جلد ۲ ص ۵۶۸ مطبوعہ فخر المطابع دہلی ۱۲۷۰ھ سطر ۱۵،

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لِّیْ نُوْرًا فِیْ قَلْبِیْ وَنُوْرًا فِیْ قَبْرِیْ وَنُوْرًا مِّنْ بَیْنِ یَدَیَّ وَ نُوْرًا مِنْ خَلْفِیْ وَ نُوْرًا عَنْ یَمِیْنِیْ وَ نُوْرًا عَنْ شِمَالِیْ وَ نُوْرًا مِنْ فَوْقِیْ وَ نُوْرًا مِّنْ تَحْتِیْ وَ نُوْرًا فِیْ سَمْعِیْ وَ نُوْرًا فِیْ بَصَرِیْ وَ نُوْرًا فِیْ شَعْرِیْ وَ نُوْرًا فِیْ بَشْرِیْ وَ نُوْرًا فِیْ لَحْمِیْ وَ نُوْرًا فِیْ دَمِیْ وَ نُوْرًا فِیْ عِظَامِیْ اَللّٰھُمَّ اَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا وَ اَعْطِنِیْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ لِّیْ نُوْرًا وَّفِیْ رِوَایَۃٍ وَاجْعَلْنِیْ نُوْرًا کماحکاہ القسطلانی فی المواھب و ذکرہ الزرقانی ایضاً

(جلد رابع ص ۲۲۰)

اس مبارک حدیث میں اس امر کی تصریح موجود ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے تمام اعضاء مبارکہ کے نور ہونے کی دعا فرما کر اس امر کا اظہار فرما دیا کہ ہم جسمانی طور پر بھی نور ہیں۔ اس مقام پر یہ شبہ وارد کرنا کسی طرح درست نہیں ہوسکتا کہ اگر نبی کریم ﷺ ابتداء سے نور ہوتے تو ''اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ نُوْرًا'' فرما کر نور بننے کی دعا کیوں فرماتے؟ اس لئے کہ کسی نعمت کے لئے دعا کرنے سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ وہ نعمت قبل از دعا حاصل نہیں۔

حضور ﷺ کی نورانیت جو کتاب وسنت سے ثابت کی گئی اس کے خلاف ''مشھود لھم بالخیر'' حضرات صحابہ تابعین ومن بعدھم ائمہ مجتہدین ومحدثین و علماء راسخین میں سے کسی نے تصریح نہیں کی۔ اس لئے اگر اس معنیٰ پر اجماع امت کا ادعاء کیا جائے تو بعید از صواب نہ ہوگا۔ چونکہ قیاس ہمیشہ مسائل غیر منصوصہ میں ہوتا

ہے اور یہ مسئلہ کتاب وسنت میں منصوص ہے۔ اس لئے خلافِ قیاس بھی نہیں۔

تنقیح نمبر۲

نبی کریم ﷺ تمام دنیا کو اپنی نظر مبارک سے ملاحظہ فرما رہے ہیں۔

قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا۔ (پ۲۲۔ سورۃ احزاب)

اس آیۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ماسوا دیگر اوصافِ جمیلہ کے شاہد اور سراجِ منیر کی نورانی صفتوں سے اپنے حبیب ﷺ کو متصف قرار دیا ہے۔ "شاھدًا" کے معنیٰ حاضر وناظر ہیں۔

مفرداتِ امام راغب اصفہانی ص ۲۶۹ پر ہے۔

الشھود والشھادۃ الحضور مع المشاھدۃ اما بالبصر او بالبصیرۃ

نبی کریم ﷺ بصر یا بصیرت کے ساتھ مشاہدہ فرماتے ہوئے حاضر ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ یہ کس چیز پر حاضر ہیں؟ اس کا جواب علامہ ابوالسعود سے لیجئے۔ وہ فرماتے ہیں

(انا ارسلنک شاھدًا) علی من بعث الیھم تراقب احوالھم وتشاھد اعمالھم وتتحمل عنھم الشھادۃ بما صدر عنھم من التصدیق والتکذیب و سائر ما ھم علیہ من الھدیٰ و الضلال وتؤدیھا یوم القیٰمۃ اداء مقبولا مالھم وما علیھم۔ (تفسیر ابوسعود جزء۶ ص ۷۹۰)

"اے نبی (ﷺ)! بے شک ہم نے بھیجا آپ کو شاہد (حاضر وناظر) بنا

کر ان سب پر جن کی طرف آپ رسول بنا کر بھیجے گئے۔ آپ ان کے احوال کی نگہبانی فرماتے ہیں اور ان کے اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں یعنی ان سب کے کاموں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور آپ ان سے تحمل شہادت فرماتے ہیں یعنی ان کے گواہ بنتے ہیں ان تمام چیزوں پر جو ان سے صادر ہوئیں تصدیق سے اور تکذیب سے اور باقی ان تمام چیزوں سے جن پر وہ ہیں ہدایت اور گمراہی سے اور آپ اس شہادت کو ادا فرمائیں گے قیامت کے دن جو ادا ہوئی ہوگی ان تمام باتوں میں جو ان کے فائدے کے لئے ہوں گی اور ان تمام باتوں میں بھی جو ان کے نقصان کے لئے ہوں گی۔"

بیضاوی شریف جلد ۲ ص ۱۹۷ مطبوعہ مصر میں ہے

(شاھدًا) علی من بعثت الیھم بتصدیقھم و تکذیبھم ونجاتھم و ضلالھم

مدارک التنزیل جلد ۳ ص ۲۳۵ پر ہے

(یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا) علی من بعثت الیھم بتکذیبھم وتصدیقھم

جلالین مطبوعہ مجتبائی دہلی ص ۲۵۳ پر ہے

شاھدًا علیٰ من ارسلت علیھم

جمل جلد ۳ ص ۳۳۲ پر ہے

قولہ علیٰ من ارسلت الیھم ای تترقب احوالھم وتشاھد اعمالھم و تتحمل الشھادۃ علیٰ ما صدر عنھم من التصدیق والتکذیب و سائر ما ھم علیہ من الھدیٰ والضلال تؤدیھا یوم القیٰمۃ اداء مقبولا فیما لھم وفیما علیھم

روح المعانی پارہ ۲۲ ص ۴۲ پر ہے

(یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا) علیٰ من بعثت الیھم تراقب احوالھم و تشاھد اعمالھم وتتحمل عنھم الشھادۃ بما صدر عنھم من التصدیق و التکذیب و سائر ماھم علیه من الھدی و الضلال وتؤدیھا یوم القیٰمۃ اداء مقبولا فیما لھم وما علیھم

اسی قسم کی عبارت تفسیر کبیر جلد ۶ ص ۷۸۸ پر ہے

تفاسیر کی عباراتِ منقولہ سے یہ بات تو ثابت ہوگئی کہ حضور ﷺ ان سب پر حاضر و ناظر ہیں جن کی طرف آپ رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اب یہ عرض کرتا ہوں کہ کائنات میں سے کس کس کی طرف رسول بن کر تشریف لائے ہیں تو سنیئے۔

صحیح مسلم کی حدیث طویل میں وارد ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے "اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً"، یعنی میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

مسلم شریف جلد ۱ ص ۱۹۹ کتاب المساجد و مواضع الصلوٰۃ، مشکوٰۃ کتاب الفتن باب فضائل سید المرسلین جلد ۲ ص ۲۰۷۔

عباراتِ مذکورہ کو حدیث شریف سے ملائیے اور یوں کہیے کہ

شَاھِدًا عَلٰی مَنْ اُرْسِلْتَ اِلَیْھِمْ وَاُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً

حضور ﷺ ان تمام پر شاہد ہیں جن کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے اور وہ ساری مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ لہٰذا ساری مخلوق پر شاہد اور حاضر و ناظر ہیں۔

اب لغت حدیث سے بھی اس مضمون کو ثابت کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمایئے مجمع بحار الانوار جلد ۲ ص ۲۲۰

وانا شهيد اى اشهد عليكم باعمالكم فكانى باق معكم انا شهيد علىٰ هٰؤلاء اى اشفع واشهد بانهم بذلوا ارواحهم اللّٰه وفيه ان تعدية ينا فيه فمعناه حفيظ عليهم اراقب احوالهم واصونهم من المكاره۔

اور میں شہید ہوں یعنی میں تم پر تمہارے اعمال کی شہادت دوں گا۔ پس گویا میں تمہارے ساتھ باقی ہوں اور طبرانی میں انا شهيد علىٰ هٰؤلاء وارد ہوا ہے۔ یعنی میں شفاعت کروں گا اور گواہی دوں گا اس بات کی کہ انہوں نے اپنی روحوں کو اللہ کے لئے خرچ کیا ہے۔ اور اس مقام میں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ "علی" ضرر کے لئے آتا ہے اور شہادت نفع کے لئے ہوگی۔ لہٰذا "شہید" کا "علی" کے ساتھ متعدی ہونا اس معنیٰ کے منافی ہے۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہاں "شہید" بمعنیٰ رقیب کے ہے اور رقیب "علی" کے ساتھ متعدی ہوتا ہے۔ لہٰذا اس حدیث کے معنیٰ یہ ہیں کہ میں ان پر رقیب یعنی نگہبان ہوں اور ان کے حالات کی نگہبانی فرمات ہوں اور ان کو تکلیفوں سے بچاتا ہوں۔

نیز اسی جلد ۲ کے ص ۲۲۱ پر ہے

والشاهد من اسمائه صلى اللّٰه عليه وسلم لانه يشهد يوم القيٰمة للانبياء على الامم بالتبليغ ويشهد علىٰ امته ويزكيهم اذهو بمعنى الشاهد للحال كأنه الناظر اليها

شاہد رسول اللہ ﷺ کے اسماء مبارکہ میں سے ہے۔ اس لئے حضور ﷺ قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام کے لئے ان کی امتوں کے خلاف

اس امر کی گواہی دیں گے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام اپنی امتوں کو پہنچا دیئے اور اپنی امت پر بھی گواہی دیں گے اور ان کا تزکیہ فرمائیں گے یعنی یہ ارشاد فرمائیں گے کہ میری امت جنہوں نے امم سابقہ پر گواہی دی ہے وہ گواہی دینے کے اہل ہیں اور ان سے کوئی عمل ایسا سرزد نہیں ہوا جو ان کی عدالت کے منافی ہے اور جس کی وجہ سے وہ گواہی کے اہل نہ رہیں۔ یا حضور کا شاہد ہونا شاھد للحال ہونے کے معنیٰ میں ہے یعنی نبی کریم ﷺ حال کا مشاہدہ فرما رہے ہیں اور گویا حضور اقدس ﷺ حال کی طرف ناظر ہیں اور اپنی ظاہری آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہے ہیں یعنی حضور ﷺ کا نظر بصیرت سے دیکھنا گویا کہ نظر بصر سے دیکھنا ہے۔

پس واضح ہو گیا کہ نبی کریم ﷺ تمام دنیا نہیں بلکہ تمام مخلوقات پر حاضر ہیں اور ان کو اپنی بصر یا بصیرت سے دیکھتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حاشیہ اخبار الاخیار ص ۱۵۵ پر اپنے مکتوبات شریف میں ارقام فرماتے ہیں

وباچندیں اختلافات وکثرتِ مذاہب کہ در علماء امت است کہ یک کس را دریں مسئلہ خلافے نیست کہ آنحضرت ﷺ بحقیقتِ حیات بے شائبہ مجاز وتوہم تاویل دائم وباقی است وبر اعمالِ امت حاضر وناظر و مر طالبانِ حقیقت را و متوجہانِ آں حضرت را مفیض و مربی است

اور باوجود اس قدر اختلافات اور بکثرت مذاہب کے جو علماء امت میں ہیں ایک شخص کو بھی اس مسئلہ میں اختلاف نہیں ہے کہ آنحضرت ﷺ بغیر شائبہ مجاز اور بلا توہم تاویل حقیقت حیات کے ساتھ دائم وباقی

ہیں اور اعمالِ امت پر حاضر و ناظر ہیں اور طالبانِ حقیقت اور اپنی طرف متوجہ ہونے والوں کو فیض پہنچاتے ہیں اور ان کی تربیت فرماتے ہیں۔

عالم امر کے زمان و مکان کی قیود سے پاک ہونے پر دلیل یہ ہے کہ ملک الموت علیہ السلام پر جو عالم امر سے ہیں، آن واحد میں ہزاروں ارواح کو قبض کرتے اور امکنہ متعددہ میں تشریف فرما ہوتے ہیں، مسلمات سے ہے۔ اگر عالم امر کے لئے قیود زمان و مکان کو تسلیم کیا جائے تو ملک الموت علیہ السلام کا آن واحد میں بے شمار روحوں کو قبض کرنا اور مقامات کثیرہ پر تشریف فرما ہونا کیوں کر ممکن ہوگا۔ روح المعانی کی عبارت نقل ہو چکی ہے کہ جبریل علیہ السلام جب بصورت دحیہ کلبی وغیرہ حاضر بارگاہِ نبوت ہوتے تھے تو سدرۃ المنتہیٰ سے جدا نہ ہوتے تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب شمائم امدادیہ میں فرماتے ہیں

> ”البتہ وقت قیام کے اعتقاد تولد کا نہ کرنا چاہئے۔ اگر احتمال تشریف آوری کا کیا جائے، مضائقہ نہیں۔ کیونکہ عالم خلق مقید بزمان و مکان ہے لیکن عالم امر دونوں سے پاک ہے۔ پس قدم رنجہ فرمانا ذاتِ بابرکات کا بعید نہیں۔“

(شمائم امدادیہ مصدقہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مطبوعہ قومی پریس لکھنؤ)

قَدْ جَاءَ کُمْ مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ میں ”نور“ سے صرف ہدایت مراد لینا کتاب اللہ کے مطلق کو مقید کرنا ہے۔ اصول کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ کتاب اللہ کا مطلق خبر واحد سے بھی مقید نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ محض اپنے گمان سے تقیید کر لی جائے۔

دعویٰ یہ ہے کہ ”قَدْ جَاءَ کُمْ مِنَ اللّٰہِ نُوْرٌ“ کے معنی یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نورِ مطلق بن کر تشریف لائے یعنی حضور ایسا نور ہیں کہ جس کے ساتھ کوئی قید نہیں اور اس کا مفاد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم علی الاطلاق نور ہیں، ہدایت کا نور، علم کا نور، ایمان کا نور، جسم

کانور، جان کا نور، زمین کا نور، آسمان کا نور غرض تمام نوروں کا نور حضور کی ذات پاک ہے۔ اس مقام پر ہدایت کی قید لگا کر باقی انواع کا انکار کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہوسکتا۔

ملاحظہ فرمایئے صاحب روح المعانی اسی آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں

قَدْ جَاءَ کُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ عَظِیْمٌ وَّهُوَ نُوْرُ الْاَنْوَارِ وَالنَّبِیُّ الْمُخْتَارُ ﷺ

جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ حضور ﷺ نور عظیم ہیں اور صرف ہدایت کا نور نہیں بلکہ آپ نورالانوار ہیں یعنی تمام نوروں کا نور ہیں اور وہ نوروں کا نور حضور ﷺ کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں بلکہ بنفس نفیس خود نبی مختار ﷺ ہی تمام نوروں کا نور ہیں۔

(روح المعانی پ ٦ ص ٨٧ مطبوعہ مصر)

یہ اعتراض کہ اگر نور سے حقیقی اور جسمانی نور مراد ہے تو قرآن و توریت کو بھی حقیقی اور جسمانی نور سمجھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا“ (پ ٦) اور ”اِنَّا اَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِیْهَا هُدًی وَّ نُوْرٌ“ (پ ٦) اور اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام واقعی جسمانی اور حقیقی نور ہیں تو بخاری شریف کی اس حدیث کا کیا جواب ہوگا جس میں صاف وارد ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا رات کی تاریکی میں اندھیرے حجرے میں سوئی ہوتی تھیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز پڑھتے ہوتے تھے اور تاریکی کی وجہ سے حضرت عائشہ کو حضور کی نقل و حرکت کا پتہ نہ چلتا تھا اور اس وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سجدہ میں جاتے وقت حضرت عائشہ کے پاؤں کو دبا دیتے تھے، جس کی وجہ سے حضرت عائشہ اپنے پاؤں ہٹا لیتی تھیں پھر حضور سجدہ فرماتے تھے۔ اگر حضور نور تھے تو حضور کے گھر میں اندھیرا کیوں رہتا تھا؟

اس کے علاوہ یہ کہ جب حضور ﷺ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور نور ہیں تو کسی جگہ بھی اندھیرا نہ ہونا چاہئے۔ کیوں کہ جس جگہ نور حاضر ہو وہاں اندھیرے کا کیا کام؟ اب آپ کے لئے ایک ہی صورت ہے یا حضور کو نور کہہ لیجئے، حاضر و ناظر

ہونے کا نام نہ لیجئے یا حاضر و ناظر ہی مان لیجئے اور نور ہونے کا تذکرہ نہ فرمائیے۔ کیوں کہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا تاریکی کے منافی ہے۔ نیز اس مسلک پر یہ اعتراض بھی وارد ہوتا ہے کہ حضور نور ہو کر ہر جگہ ہر وقت ہر شخص کو نظر آنے چاہئیں لیکن ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہوتا۔ پھر یہ دعویٰ کیونکر تسلیم کیا جائے؟ اگر حضور جسمانی طور پر بھی نور ہوتے تو حضور کی اولاد بھی نور ہوتی۔ کیوں کہ ہر ایک کی اولاد اس کی جنس سے ہوتی ہے لیکن ظاہر ہے ساداتِ کرام عام انسانوں کی طرح بشر ہیں، نور نہیں! معلوم ہوا کہ حضور عام انسانوں کی طرح بشر ہیں۔

یہاں یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ حضور ﷺ کو بھوک، پیاس، راحت و آرام، تکلیف و مشقت، صحت و مرض حتیٰ کہ زخم اور خون بہنے کے عوارض بھی لاحق ہوئے۔ یہ سب حالات نورانیت کی تردید کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں حضور کو بشریت سے نکال کر نورانیت کی طرف لے جانا حضور کی شان میں گستاخی ہے۔ اس لئے کہ بشر کا مرتبہ نور سے زائد ہے۔ تمام نوری مخلوق حضور ﷺ سے کم مرتبہ رکھتی ہے۔ اگر حضوکو نور کہا جائے تو آقا کو ماتحت اور سردار کو غلام بنانے کے مترادف ہوگا۔ اس لئے حضور ﷺ محض نورِ ہدایت ہیں۔ بایں معنیٰ کہ حضور کا کام صرف اتنا ہے کہ آپ لوگوں کو اللہ کا راستہ دکھا دیں۔ یہ ہدایت کرنے کی صفت حضور کو بشریت سے مستثنیٰ کر کے نور نہیں بنا سکتی اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ ہر ہدایت کرنے والا جو نورِ ہدایت سے متصف ہے، وہ بشر نہیں اور ترمذی کی حدیث سے یہ ثابت کرنا کہ حضور نور تھے صحیح نہیں۔ کیونکہ اس حدیث میں تو صرف نور ہونے کی دعا مذکور ہے، نہ یہ کہ حضور نور ہیں۔ یہ دعا تو اس امر کی روشن دلیل ہے کہ کم از کم دعا کرتے وقت تو حضور نور نہ تھے ورنہ دعا کی حاجت ہی کیا تھی؟

یہ اعتراض کہ قرآن و حدیث کو بھی نور کہا گیا ہے، لہٰذا وہاں بھی نور کے وہی

معنی لیجئے جو آیۂ کریمہ قَدْ جَاءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ میں مراد لئے ہیں۔ ایک خوبصورت مغالطہ ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ قرآن وتوریت کا نور ہونا مسلم ہے لیکن یاد رکھئے کہ تمام کتب سماویہ پیغاماتِ الٰہیہ ہونے کی حیثیت سے ذوات واعیان نہیں بلکہ محض معانی ہیں۔ اس لئے امر بالکل ظاہر ہے کہ ان کی نورانیت معانی سے متجاوز ہو کر ذوات واعیان کی حدود میں نہیں آسکتی، لہٰذا وہاں نورِ ہدایت ہی مراد ہو سکتا ہے۔ اگر وہاں نور کے مفہوم کو اعیان ومعانی کے لئے عام کر دیا جائے تو قرآن وتوریت معنیٰ کے بجائے ذوات واعیان قرار پائیں گے جو بداہتہً باطل ہے۔ البتہ حضور نبی کریم ﷺ اعیان ومعانی دونوں کے جامع ہیں۔ کیونکہ حضور اقدس ﷺ کی ذاتِ اقدس بھی ہے اور حضور کے صفات بھی ہیں۔ ذات عین ہوتی ہے اور صفت معنیٰ لہٰذا حضور ﷺ کا نور بھی اعیان ومعانی دونوں کا جامع ہوگا۔

رہا یہ اعتراض کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جسمانی نور بھی ہیں تو حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرے میں اندھیرا کیوں رہتا تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جسمانی نور کے لئے یہ ہرگز لازم نہیں کہ جہاں اس کا وجود ہو وہاں حس بصری سے محسوس ہونے والا اجالا بھی ضرور پایا جائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرے میں حضور ﷺ کے تشریف فرما ہونے کے وقت کراماً کاتبین بھی یقیناً موجود ہوتے تھے اور ان کے جسمانی نور ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔ حدیث شریف میں وارد ہے خُلِقَتِ الْمَلٰئِکَۃُ مِنَ النُّوْرِ (اخوجہ مسلم) (بیضاوی شریف ص ۶۴ مطبوعہ مجتبائی دہلی) لیکن اس کے باوجود کہ ملائکہ کرام جسمانی نورانیت رکھتے ہوئے حضرت عائشہ صدیقہ کے حجرے میں موجود ہیں پھر بھی ظاہری آنکھوں سے نظر آنے والا اجالا نہیں ہوا اور اندھیرا ہی رہا۔ اب یا تو ملائکہ کی نورانیت جسمانیہ کا انکار کیجئے یا اعتراض کو غلط سمجھئے۔

حقیقت یہ ہے کہ نور کے ادراک کے لئے اس کے شایانِ شان نور کی

ضرورت ہوتی ہے۔ کسی نور کا ادراک اس وقت تک ناممکن ہے جب تک ادراک کرنے والے میں اس نور کے ادراک کرنے کے قابل نور نہ پایا جائے۔ دیکھئے ایک نابینا آفتاب وماہتاب کے نور کا ادراک نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ نابینا نور بصر سے محروم ہے بالکل اسی طرح ملائکہ کے نور کا ادراک اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کسی شخص کے اندر نور ملکیت علی وجہ الکمال نہ پایا جائے۔ ادراک کے معنیٰ احاطہ کے ہیں جو چیز جتنی زیادہ لطیف ہوگی اسی قدر احاطہ سے بعید ہوگی۔ کسی لطیف شے کے عدم ادراک کی یہی وجہ ہوسکتی ہے کہ ادراک کرنے والے کے اندر وہ لطیف نور ہی موجود نہیں جو اس لطیف شے کا ادراک کرسکے۔ ملائکہ کا نور آفتاب و ماہتاب کے نور سے زیادہ لطیف ہے اور حضور ﷺ کا نور مبارک ملائکہ بلکہ جمیع انوار لطیف سے لطیف بلکہ الطف ہے۔ جب ہماری آنکھوں کا نور ملائکہ کے نور کو ادراک کرنے سے بھی عاجز ہے تو رسول اللہ ﷺ کے نور مبارک کا ادراک کیونکر کرسکتا ہے؟ ہمارے اس عدم ادراک کو آپ رسول اللہ ﷺ کی عدم نورانیت کی دلیل قرار دے رہے ہیں حالانکہ یہ خود آپ کے بے نور ہونے کی دلیل ہے! لطیف کی لطافت جتنی زیادہ ہوگی وہ اسی قدر ادراک سے بالاتر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی لطافت تمام لطافتوں سے بالاتر ہے۔ اس لئے وہ ادراک (احاطہ) کی قید سے پاک ہے۔ ”قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ ط وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ۝“ گویا اللہ تعالیٰ کا لطیف ہونا اس کے غیر مدرک ہونے کی دلیل ہے۔

اگر حضور ﷺ کو لباسِ بشریت نہ پہنایا جاتا تو کسی فرد بشر کے لئے حضور ﷺ کا ادراک ممکن نہ ہوتا۔ کیوں کہ لطیف کا ادراک کثیف کے لئے خلافِ عادت ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ خرقِ عادت پر بھی قدرت رکھتا ہے اور اسی کی قدرت سے بسا اوقات حضور ﷺ کا جسمانی نور لطیف اس عالم اجسام کثیفہ میں

ظاہر ہوا اور دیکھنے والوں نے بطور خرق عادت اپنی آنکھوں سے دیکھا، جس کا بیان بکثرت احادیث مبارکہ میں وارد ہوا ہے۔

بعینہ یہی جواب اس دوسرے اعتراض کا ہے کہ اگر حضور باوجود نور ہونے کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو پھر کسی جگہ بھی اندھیرا نہ ہونا چاہئے۔ یہ سب اعتراضات ہمارے مسلک سے نافہمی سے پیدا ہوتے ہیں۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کو حضور کی جسمانیت اور بشریت مطہرہ کے ساتھ حاضر و ناظر نہیں مانتے بلکہ حضور کی حقیقت مقدسہ کو ذاتِ کائنات میں جاری و ساری مانتے ہوئے روحانی طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاضر و ناظر سمجھتے ہیں۔

تنقیح نمبر ۳

مقاماتِ کثیرہ اور امکنہ متعددہ میں حضور ﷺ کا تشریف فرما ہونا نہ صرف ممکن بلکہ امر واقع ہے۔ بخاری شریف جلد ۲ کتاب التعبیر ص ۱۰۳۵ مطبوعہ اصح المطابع

> عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَیَرَانِیْ فِی الْیَقْظَةِ وَلَا یَتَمَثَّلُ الشَّیْطَانُ بِیْ. ایضا مسلم شریف جلد ۲ کتاب الرؤیا ص ۲۴۲ مطبوعہ نول کشور۔ ایضا ابو داؤد کتاب الادب باب الرؤیا ص ۳۲۹ جلد ۲ مطبوعہ نول کشور
>
> ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے سنا حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب مجھے بیداری میں دیکھے گا اور شیطان میرا ہم شکل نہیں ہو سکتا۔

حدیث شریف کے معنیٰ بالکل واضح ہیں کہ حضور سید عالم ﷺ صاف ارشاد فرما رہے ہیں کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا وہ عنقریب مجھے بیداری میں دیکھے گا اور حدیث میں یہ اشکال ہے کہ فی الواقع ایسا نہیں ہوتا کہ ہر وہ شخص جس نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا ہو وہ بیداری میں بھی حضور کو دیکھ لے۔

اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں لیکن محققین کے نزدیک صرف ایک ہی جواب ایسا ہے جو نہایت ہے واضح اور شکوک وشبہات سے پاک ہے اور وہ جواب ساداتِ صوفیہ رضی اللہ عنہم نے دیا ہے۔ جس کو شیخ شنوانی نے پسند فرمایا ہے۔ حاشیہ الشیخ محمد الشنوانی علیٰ مختصر ابن ابی جمرہ مطبوعہ مصر ص ۵۳۷ پر ہے

> وقال الساداة الصوفية يراه يقظةً فی دار الدنيا فالمعنىٰ حينئذان من رَاٰهُ منا ما كان مشتاقا واشتد شوقه رَاٰهُ فی اليقظة كما وقع لكثير من الاولياء منهم الشيخ ابو العباس المرسی قال لو احتجبت عنه ﷺ طرفة عين ما عددت نفسی من المسلمين و كذالک سيدی ابراهيم المتبولی كان ينظر النبی ﷺ يقظة و كذالک الشيخ السحيمی و شيخنا البرادی نفعنا الله بالجميع

اور سادات صوفیہ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کو خواب میں دیکھنے والا دار دنیا میں بحالت بیداری حضور ﷺ کو دیکھتا ہے اس وقت حدیث کے معنیٰ یہ ہوں گے جس نے رسول اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا اور وہ حضور کو بیداری میں دیکھنے کا مشتاق ہو گیا اور اس کا یہ شوق حد سے متجاوز ہو گیا تو وہ حضور ﷺ کو بیداری میں ضرور دیکھ لے گا۔ جیسا اکثر اولیاء کرام کے لئے واقع ہوا۔ ان میں شیخ ابو العباس مرسی ہیں۔ انہوں نے

فرمایا کہ اگر میں پلک جھپکنے کی مقدار بھی حضور ﷺ سے اوجھل ہو جاؤں تو میں اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار نہ کروں اور اسی طرح سیدی ابراہیم متبولی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کو بیداری میں دیکھتے تھے اور اسی طرح شیخ سحیمی اور ہمارے شیخ برادی رضی اللہ عنہ یہ سب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جمال مبارک جاگتے ہوئے کھلم کھلا دیکھا کرتے تھے۔

روح المعانی پارہ ۲۲ ص ۳۲ پر اسی حدیث کے متعلق صاحب روح المعانی امام ابو محمد ابن ابی جمرہ کا قول نقل فرماتے ہیں

هذا الحديث يدل علیٰ ان من يراه ﷺ فی النوم فسيراه فی اليقظة وهل هذا علیٰ عمومه فی حيوته و بعد مماته عليه الصلوٰة والسلام او هٰذا كان فی حيوته وهل ذالک لکل من راه مطلقا او خاص بمن فيه الاهلية والاتباع لسنة عليه الصلوٰة والسلام اللفظ يعطی العموم ومن يدعی الخصوص فيه بغير مخصص منه ﷺ فمتعسف واطال الكلام فی ذلک ثم قال وقد ذکر عن السلف والخلف هلم جرًا من کانوا رأوه ﷺ فی النوم وکانوا ممن يصدقون بهذا الحديث فرأوه بعد ذلک فی اليقظة و سألوه عن اشياء وکانوا منها متشوشين فاخبرهم بتفريجها ونص لهم علی الوجوه التی منها يکون فرجها فجاء الامر کذالک بلا زيادة ولا نقص انتهی المراد منه

یہ حدیث ''مَنْ رَآنِی فِی الْمَنَامِ فَسَيَرَانِی فِی الْيُقْظَةِ'' دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ جس نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا وہ

عنقریب حضور علیہ السلام کو بیداری میں دیکھ لے گا۔ رہا یہ سوال کہ یہ حدیث اپنے عموم پر ہے۔ حضور کی حیاتِ ظاہری اور وفاتِ اقدس کے بعد یا یہ حیات ظاہری کے ساتھ مخصوص ہے۔ نیز یہ سوال کہ یہ ہر اس شخص کے لئے ہے جس نے حضور کو دیکھا، مطلقاً یا خاص ہے ان لوگوں کے ساتھ جن میں اہلیت اور اتباع سنت کا وصف پایا جاتا ہے تو ان دونوں سوالوں کا جواب یہ ہے کہ الفاظِ حدیث تو عموم (۱) ہی کا فائدہ دیتے ہیں اور جو شخص حضور کی تخصیص کے بغیر اپنی طرف سے خود بخود تخصیص کا دعویٰ کرے وہ متعصب ہے اور امام موصوف نے اس کے متعلق کلام طویل فرما کر ارشاد فرمایا ہے کہ سلف سے لے کر خلف تک چلے آیئے۔ ان میں سے جو لوگ بھی نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھتے تھے، انہوں نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھنے کے بعد بیداری میں دیکھا اور حضور ﷺ سے ایسی چیزوں کے متعلق سوال کیا جن میں وہ متردد تھے تو حضور ﷺ نے ان اشیاء میں تردد سے کشادگی کی خبر دی اور ان کے لئے ایسے وجوہ کی تصریح فرمادی جن سے وہ متردد فی امور بالکل کشادہ ہو جائیں اور پھر حضور کے فرمان کے مطابق بلا کم وکاست اسی طرح وہ امور واقع ہوئے۔

نبی کریم ﷺ کے بیداری میں تشریف فرما ہونے اور اپنے غلاموں کو اپنے لطف وکرم سے مستفید ہونے پر اکابر علماء امت اور علماء محققین کی اتنی تصریحات

---

(۱) الفاظ حدیث کے افادہ عموم کی جو توجیہ امام ابو محمد بن ابی جمرہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمائی ہے نہایت صحیح اور بے غبار ہے۔ رہا شیخ محمد شنوانی کا قول کہ وکان مشتاقا واشتد شوقہ اس کے متعلق کہہ دینا کافی ہے۔ ع للناس فیما یعشقون مذاہب ۱۲

موجود ہیں کہ ان تمام کو نقل کرنے کے لئے یہ مختصر وقت کسی طرف مکتفی نہیں ہو سکتا۔ مشتے نمونہ از خروارے چند عبارات پیش کرتا ہوں۔

روح المعانی پارہ ۲۲ ص ۳۳ پر ہے

فقد وقعت رؤیته ﷺ بعد وفاته بغیر واحد من الکاملین من هذه الامة والاخذ منه یقظة کما قال الشیخ سراج الدین بن الملقن فی طبقات الاولیاء الیٰ اخره

بے شک نبی کریم ﷺ کا دیکھنا آپ کی وفات کے بعد اور بیداری میں حضور سے فیض لینا امت محمدیہ کے بکثرت کاملین کے لئے واقع ہوا ہے۔ جیسا کہ شیخ سراج دین بن الملقن نے طبقات الاولیاء میں فرمایا ہے

اس عبارت کے بعد صاحب روح المعانی نے شیخ سراج دین رحمۃ اللہ علیہ کی نقول پیش کرتے ہوئے حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا مفصل واقعہ بیان کیا ہے، جس میں صاف صاف مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضرت علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ ظاہر و باہر تشریف لائے اور حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کے دہن مبارک میں اپنا مقدس لعاب دہن ڈالا اور وہ فیض پہنچایا جس کی مثال نہیں مل سکتی۔ پھر شیخ خلیفہ بن موسیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق نقل فرمایا

کان کثیر الرؤیة لرسول اللّٰه علیه الصلوٰة والسلام یقظة ومناماً

حضرت شیخ خلیفہ بن موسے رضی اللہ عنہ سوتے جاگتے حضور ﷺ کو بہت کثرت سے دیکھنے والے تھے۔

اس کے بعد صاحب روح المعانی نے حضرت شیخ تاج الدین بن عطاء اللہ کا قول لطائف المنن سے اس طرح نقل فرمایا

قال رجل للشیخ ابی العباس المرسی یا سیدی صافحنی بکفک هٰذا فانک لقیت رجالاً وبلاداً فقال واللّٰه ماصافحت بکفی هٰذهٖ الا رسول اللّٰه ﷺ قال وقد قال الشیخ لو حجب عنی رسول اللّٰه ﷺ طرفة عین ماعددت نفسی من المسلمین ونقل هٰذه النقول کثیر من کتب القوم جدا (روح المعانی پ۲۲ص ۳۳/۳۴ مطبوعہ مصر)

کسی شخص نے حضرت شیخ ابو العباس مرسی سے عرض کیا، ''اے میرے سردار! آپ اس ہتھیلی کے ساتھ مجھ سے مصافحہ فرمائیں۔ اس لئے کہ آپ بڑے شہروں میں گھومے ہیں اور بڑے مردانِ خدا سے آپ نے ملاقات کی ہے۔'' حضرت شیخ ابوالعباس مرسی نے فرمایا، ''خدا کی قسم! میں نے اس ہتھیلی سے سوائے رسول اللہ ﷺ کے کسی کے ساتھ مصافحہ نہیں کیا۔'' حضرت امام تاج الدین نے فرمایا کہ حضرت شیخ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر پلک جھپکنے کی مقدار رسول اللہ ﷺ مجھ سے حجاب میں ہو جائیں تو میں اپنے آپ کو مسلمانوں میں شمار نہ کروں اور اس جیسی نقول کتب قوم میں بہت زیادہ ہیں۔

اس کے بعد اسی بحث میں صاحب روح المعانی نے امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت تنویر الحلک سے نقل فرمائی جس کو بلفظہا پیش کرتا ہوں۔

فحصل من مجموع هٰذا الکلام المنقول والاحادیث ان النبی ﷺ حی بجسدهٖ وروحهٖ وانه یتصرف ویسیر حیث شاء فی اقطار الارض وفی الملکوت وهو بهیئته التی کان علیها قبل وفاتهٖ لم یتبدل منه شیٔ وانه مغیب عن الابصار

کما غیبت الملائکۃ مع کونھم احیاء باجسادھم فاذا اراد اللّٰہ تعالیٰ رفع الحجاب عمن اراد اکرامہ برؤیتہ راٰہ علی ھیئتہ التی ھو علیہ الصلوٰۃ والسلام علیھا لا مانع من ذلک ولا داعی الی التخصیص برؤیۃ المثال۔ اھ

ان تمام نقول اور احادیث سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ نبی کریم ﷺ اپنے جسم مبارک اور روح اقدس کے ساتھ زندہ ہیں اور بے شک حضور ﷺ اطراف زمین اور ملکوتِ اعلیٰ میں جہاں چاہتے ہیں سیر اور تصرف فرماتے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی اسی ہیئت مبارکہ کے ساتھ ہیں، جس پر وفات سے پہلے تھے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوئی چیز بدلی نہیں ہے اور بے شک نبی کریم ﷺ ظاہری آنکھوں سے غائب کر دیئے گئے ہیں جس طرح ملائکہ غائب کر دیئے گئے ہیں حالانکہ وہ سب اپنے جسموں کے ساتھ زندہ ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو اپنے حبیب ﷺ کا جمال دکھا کر عزت و بزرگی عطا فرمانا چاہتا ہے تو اس سے حجاب کو دور کر دیتا ہے اور وہ مقرب بندہ حضور ﷺ کو اسی ہیئت پر دیکھ لیتا ہے، جس پر حضور واقع میں ہیں۔ اس روایت سے کوئی چیز مانع نہیں اور رویت مثالی کی تخصیص کی طرف کوئی امر داعی نہیں۔

اور زرقانی جلد ۱ ص ۸ مطبوعہ مصر میں ہے

لا یمتنع رؤیۃ ذاتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بجسدہٖ و روحہٖ

یعنی حضور ﷺ کو حضور کے جسم اقدس اور روحِ مبارک کے ساتھ دیکھنا محال نہیں ہے۔

حضور ﷺ کا جمال دیکھنے میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دیکھنے والے نے حضور کی ذاتِ اقدس اور روح مبارک کو دیکھا اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جمالِ محمدی دیکھنے والا حضور سید عالم ﷺ کے اس مبارک جسم مثالی کو دیکھ رہا ہے جس کے ساتھ حضور ﷺ کی روح مجردہ قدسیہ متعلق ہے اور اس امر سے کوئی شے مانع نہیں ہے کہ حضور ﷺ کے مثالی اجسام بے شمار تعداد میں متعدد ہو جائیں اور ہر جسد اقدس کے ساتھ روحِ مقدس کا بالکل وہی تعلق رہے جو ایک جسم کے الگ الگ اعضاء اور اجزاء کے ساتھ ہوتا ہے۔ جیسا کہ روح المعانی میں نہایت تفصیل کے ساتھ وارد ہے، ملاحظہ فرمائیے

والمرئی اماروحه علیه الصلوٰة والسلام التی هی اکمل الارواح تجرداً وتقدسا بان تکون قد تطورت وظهرت بصورة مرئیة بتلک الرؤیة مع بقاء تعلقها بجسدهٖ الشریف الحی فی القبر السامی المنیف علیٰ حد ما قاله بعضهم من ان جبریل علیه السلام مع ظهورهٖ بین یدی النبی علیه السلام فی صورة دحیة الکلبی او غیره لم یفارق سدرة المنتهیٰ واما جسد مثالی تعلقت بهٖ روحه ﷺ المجردة القدسیة ولا مانع من ان یتعدد الجسد المثالی الی مالا یحصی من الاجساد مع تعلق روحه القدسیة علیه من اللّٰه تعالیٰ الف الف صلوٰة وتحیة بکل جسد منها ویکون هٰذا التعلق من قبیل تعلق الروح الواحدة باجزاء بدن واحد ولا تحتاج فی ادراکاتها واحساساتها فی ذلک التعلق الی ما تحتاج الیه من الاٰلات فی تعلقها بالبدن فی الشاهد علیٰ ما ذکر یظهر

وجه ما نقله الشيخ صفى الدين بن ابى منصور و الشيخ عبد الغفار عن شيخ ابى العباس الطنجى من انه رأى السماء والارض والعرش والكرسى مملوءة من رسول الله ﷺ وينحل به السوال عن كيفية رؤية المتعددين له عليه الصلوٰة والسلام فى زمان واحد فى اقطار متباعدة ولا يحتاج معه الىٰ ما اشار اليه بعضهم وقد سئل عن ذلك فانشد

كالشمس فى كبد السماء وضوءها
يغشى البلاد مشارقا و مغاربا

(روح المعانی پ ۲۲ ص ۳۵ مطبوعہ مصر)

اور جو چیز دیکھنے میں آتی ہے وہ یا روح مبارک ہے نبی ﷺ کی جو تجرد اور تقدس کے لحاظ سے تمام روحوں میں سب سے زیادہ کامل ہے۔ بایں طور کہ وہ روحِ مبارک ظاہری صورت میں اس رؤیت کے ساتھ نظر آنے لگتی ہے اور اس روح اقدس کا تعلق حضور ﷺ کے اس جسد مبارک کے ساتھ باقی ہے جو قبر مبارک میں زندہ ہے۔ یہ قول بعض محققین کے اس قول کے بالکل مطابق ہے کہ جبریل علیہ السلام جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے حضرت دحیہ کلبی وغیرہ کی صورت میں حاضر ہوتے تھے تو سدرۃ المنتہیٰ سے جدا نہ ہوتے تھے۔ (دیکھئے جبریل علیہ السلام زمین پر بھی ہیں اور اسی وقت سدرۃ المنتہیٰ پر بھی موجود ہیں) اور یا مثالی جسم نظر آتا ہے جس کے ساتھ روح مجردہ قدسیہ متعلق ہے اور اس سے کوئی شے مانع نہیں ہے کہ حضور ﷺ کے مثالی جسم لاتعداد ولا تحصیٰ ہو جائیں

اور روح قدسیہ کا تعلق ہر جسم سے مساوی طور پر رہے اور یہ تعلق بالکل ایسا ہے جیسا کہ ایک روح ایک بدن کے الگ الگ اجزاء و اعضاء سے تعلق رکھتی ہے اور مثالی جسموں میں وہ روح اپنے ادراکات و احساسات میں ان آلات کی قطعاً محتاج نہیں ہوتی جن کی ضرورت اسے کسی مشاہدہ کرنے والے شخص میں اس کے بدن کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کے لئے ہوتی ہے (۱) اور اس بیان پر اس قول کی وجہ بھی ظاہر ہو جاتی ہے جس کو شیخ صفی الدین بن منصور اور شیخ عبدالغفار نے حضرت شیخ ابوالعباس طنجیؒ سے نقل کیا اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابوالعباس طنجیؒ نے آسمانوں اور زمینوں اور عرش اور کرسی کو رسول اللہ ﷺ سے بھرا ہوا دیکھا نیز اس بیان سے یہ سوال بھی حل ہو جاتا ہے کہ متعدد لوگ ایک ہی وقت میں دور دراز مقامات پر رسول اللہ ﷺ کو کس طرح دیکھ سکتے ہیں پھر یہ کہ اس بیان کے ہوتے ہوئے اس مضمون کی بھی حاجت نہیں رہتی جس کی طرف بعض بزرگوں نے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔ جب ان سے اس روایت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے یہ شعر پڑھ دیا ؎

كالشمس فى كبد السماء وضوءها
يغشى البلاد مشارقا و مغاربا

یعنی ”نبی کریم ﷺ اس سورج کی طرح ہیں جو آسمان کے وسط میں ہو اور اس کی روشنی مشرقوں اور مغربوں کے تمام شہروں کو ڈھانک لے۔“

---

(۱) مثلاً جسم کا کوئی عضو جسم سے الگ ہو جائے تو روح کا تعلق اس سے نہیں رہتا۔ اس کے برخلاف مثالی جسم تعداد میں الگ الگ اور دور ہوتے ہیں پھر بھی ان سب سے روح کا تعلق ہوتا ہے اور تمام جسموں کے ساتھ روح کے ادراکات اور احساسات اور ہر قسم کے تصرفات ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

حضور ﷺ کے لئے اقطار عالم کے اندر تشریف فرما ہونا کیوں کر ناممکن ہوسکتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھئے کہ آسمان پر ہونے کے باوجود زمین پر تشریف فرما ہوتے ہیں اور ان کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اس وقت صرف زمین پر ہیں، آسمان پر نہیں۔ علامہ سید محمود الوسی اسی تفسیر روح المعانی میں فرماتے ہیں

اخرج ابن عدی عن انس بَیْنَا نَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اِذْ رَأَیْنَا بُرْدًا وَیَدًا فَقُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا هٰذَا الْبُرْدُ الَّذِیْ رَأَیْنَا وَالْیَدُ قَالَ قَدْ رَأَیْتُمُوْهُ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ ذٰلِکَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ سَلَّمَ عَلَیَّ

ابن عدی نے حضرت انس سے روایت کیا اس اثناء میں کہ ہم (صحابہ) رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے ناگہاں ہم نے ایک چادر اور ایک ہاتھ دیکھا۔ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام)! کیا ہے یہ چادر جو ہم نے دیکھی اور یہ ہاتھ کیسا ہے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تم نے دیکھا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا، حضور ہاں! فرمایا، یہ عیسیٰ ابن مریم ہیں، جنہوں نے مجھ پر سلام عرض کیا۔

اور سنیئے!

اسی مقام پر بلکہ اسی حدیث کے نیچے صاحب روح المعانی ایک دوسری حدیث ارقام فرماتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

وفی روایة ابن عساکر عنه کُنْتُ اَطُوْفُ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ حَوْلَ الْکَعْبَةِ اِذْ رَأَیْتُهٗ صَافَحَ شَیْئًا وَّلَمْ اَرَهٗ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! رَأَیْنَاکَ صَافَحْتَ شَیْئًا وَّلَا نَرَاهُ قَالَ ذٰلِکَ اَخِیْ عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ اِنْتَظَرْتُهٗ حَتّٰی قَضٰی طَوَافَهٗ فَسَلَّمْتُ عَلَیْهِ

اور ابن عساکر کی ایک روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں، میں حضور ﷺ کے ساتھ کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ ناگہاں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے کسی سے مصافحہ فرمایا اور میں نے اسے نہیں دیکھا۔ ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ! ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ نے کسی سے مصافحہ فرمایا مگر ہم نے اس کو نہیں دیکھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وہ میرے بھائی عیسیٰ ابن مریم ہیں۔ میں ان کا انتظار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے طواف سے فارغ ہو گئے پھر میں نے ان پر سلام پیش کیا۔

دیکھئے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر رونق افروز ہوتے ہوئے زمینوں پر بھی موجود ہیں اور ایک عیسیٰ علیہ السلام پر کیا موقوف ہے احادیث صحیحہ کی روشنی میں علیٰ رؤوس الاشہاد عرض کرتا ہوں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور مقربانِ بارگاہِ ایزدی کسی ایک مکان میں مقید نہیں ہوتے۔ ایک مکان کیا بلکہ ایک جہان میں بھی وہ مقید نہیں ہوتے بلکہ بیک وقت تمام جہانوں میں تشریف فرما ہوں تو ممکن بلکہ واقع ہے۔

حدیث شریف میں ہے حضور سید عالم ﷺ نے شب معراج بیت المقدس میں انبیاء ومرسلین علیہم السلام کی امامت فرمائی اور تمام انبیاء ورسل نے حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، جیسا کہ تفسیر ابن جریر جزء ۵، ص ۳ پر ہے

ثُمَّ انْطَلَقْنَا حَتّٰى اَتَيْنَا اِلٰى بَيْتِ الْمُقَدَّسِ فَصَلَّيْتُ فِيْهِ بِالنَّبِيِّيْنَ وَالْمُرْسَلِيْنَ اِمَامًا ثُمَّ عُرِجَ بِىْ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا

حضور ﷺ فرماتے ہیں پھر ہم چلے یہاں تک کہ بیت المقدس پہنچے میں نے وہاں تمام نبیوں اور رسولوں کو امام بن کر نماز پڑھائی پھر مجھے پہلے آسمان کی طرف لے جایا گیا۔

یہی مضمون ابویعلیٰ نے ام ہانی سے، مسلم نے ابوسلمہ اور سیدنا ابن مسعود سے، طبرانی نے اوسط میں ابی امامہ سے اور بیہقی نے ابوسعید سے اور امام احمد نے حضرت ابن عباس سے روایت فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔ مواہب اللدنیہ جزء۲ ص ۱۶/۷۱ مطبوعہ مصر، صحیح مسلم جلد۱ ص ۹۶ مطبع انصاری دہلی، **باب الاسراء برسول اللہ ﷺ و فرض الصلوٰت.**

بیت المقدس میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو نماز پڑھا کر حضور ﷺ آسمانوں پر تشریف لے گئے اور وہاں آدم علیہ السلام، یحیٰ و عیسیٰ علیہما السلام، یوسف علیہ السلام، ادریس علیہ السلام، ہارون علیہ السلام، موسےٰ علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا اور ان سے ملاقات فرمائی۔ بخاری شریف جلد۱ ص ۵۴۸/۵۴۹ مطبوعہ اصح المطابع باب المعراج، مسلم شریف مطبوعہ اصح المطابع جلد۱ ص ۹۳ **باب الاسراء برسول اللہ ﷺ.**

یہاں قابل غور امر یہ ہے کہ ان میں سے جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام وفات پا چکے ہیں، وہ اپنی قبورِ مبارکہ کے اندر عالم برزخ میں بھی موجود ہیں جو ایک مستقل جہان ہے اور اس جہانِ دنیا میں بھی مسجد بیت المقدس میں حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں اور جب حضور سید عالم ﷺ آسمانوں پر رونق افروز ہوتے ہیں (جسے عالم آخرت کہنا چاہئے) تو وہاں بھی اپنے اپنے مقامات پر یہ حضرات موجود ہیں۔ معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بیک وقت عالم دنیا، عالم برزخ اور عالم آخرت میں موجود ہیں۔ جب ہر عالم میں ان حضرات کا بیک وقت موجود ہونا ثابت ہے تو حضور ﷺ کا ہر مکان میں موجود ہونا کیوں کر ناممکن ہوسکتا ہے۔

دیکھئے اسی حدیث معراج سے بالکل یہی مضمون امام شعرانی رحمۃ اللہ نے ثابت کیا ہے۔ چنانچہ امام موصوف الیواقیت والجواہر جلد دوم ص ۳۶ مطبوعہ مصر میں فوائد معراج کی تفصیل فرماتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں

ومنها شهود الجسم الواحد فی مکانین فی اٰن واحد کما رای محمد ﷺ نفسه فی اشخاص بنی اٰدم السعداء حین اجتمع به فی السماء الاولیٰ کما مر و کذٰلک اٰدم و موسیٰ و غیرهما فانهم فی قبورهم فی الارض حال کونهم ساکنین فی السماء فانه قال رأیت آدم رأیت موسیٰ رأیت ابراهیم واطلق وما قال رأیت روح آدم ولا روح موسیٰ فراجع ﷺ فی السماء وهو بعینه فی قبره فی الارض قائما یصلی کما ورد فیا من یقول ان الجسم الواحد لایکون فی مکانین کیف یکون ایمانک بهذا الحدیث فان کنت مؤمنا فقلد وان کنت عالما فلا تعترض فان العلم یمنعک ولیس لک الاختبار فانه لا یختبر الا اللّٰه ولیس لک ان تتأول ان الذی فی الارض غیر الذی فی السماء لقوله علیه الصلوٰة والسلام رأیت موسیٰ واطلق و کذٰلک سائر من راٰه من الانبیاء هناک فالمسمّٰی موسیٰ ان لم یکن عینه فالاخبار عنه کذب انه موسیٰ هٰذا

اور فوائد معراج میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ایک جسم آن واحد میں دو مکانوں میں حاضر ہو گیا۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے نیک بخت اولادِ آدم کے افراد میں خود اپنی ذات کریمہ کو بھی ملاحظہ فرمایا۔ جب حضور ﷺ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ پہلے آسمان پر جمع ہوئے تھے جیسا کہ گزرا اور اسی طرح آدم اور موسیٰ علیہما السلام اور ان کے علاوہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ پس بے شک وہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

زمین میں اپنی قبروں کے اندر ہیں دراں حالیکہ وہ آسمانوں میں بھی سکونت رکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً اس طرح فرمایا کہ میں نے آدم علیہ السلام کو دیکھا۔ موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا، روح کی قید کے ساتھ مقید فرما کر اس طرح نہیں فرمایا کہ میں نے آدم علیہ السلام کی روح کو دیکھا اور نہ یوں فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کی روح کو دیکھا (جس سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعینہٖ ان انبیاء علیہم السلام ہی کو دیکھا تھا نہ کہ ان کی ارواح یا امثال کو) پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھٹے آسمان پر موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گفتگو اور مراجعت فرمائی حالانکہ موسیٰ علیہ السلام بعینہٖ زمین میں اپنی قبر شریف کے اندر کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ جیسا کہ (مسلم شریف) کی حدیث میں وارد ہوا ہے۔ پس انتہائی افسوس ہے اور تعجب اس کہنے والے پر جو یہ کہتا ہے کہ ایک جسم بیک وقت دو مکانوں میں نہیں ہو سکتا (اے قائل) ذرا یہ تو بتا دے کہ اس قول کے ہوتے ہوئے تیرا ایمان اس حدیث پر کیوں کر ہو سکتا ہے؟ اگر تو مومن ہے تو تجھے مان لینا چاہئے، اگر تو عالم ہے تو اعتراض نہ کر، اس لئے کہ علم تجھے روکتا ہے اور تجھے حقیقتِ حال کا علم ہے نہیں، اس لئے کہ علم حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اور تیرے لئے یہ بات بھی جائز نہیں کہ تو اس حدیث میں یہ تاویل کرے کہ جو انبیاء زمین میں ہیں وہ ان کے غیر ہیں جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آسمان میں دیکھا۔ اس لئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "رائیت موسیٰ" مطلقاً فرمایا اور اسی طرح باقی انبیاء علیہم السلام کے متعلق جنہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آسمانوں میں دیکھا۔ (یہ نہیں فرمایا کہ میں نے آسمان میں ان کے غیر کو دیکھا جو زمین میں ہیں) تو

حضور ﷺ نے جن کو موسیٰ فرمایا اگر وہ بعینہٖ موسیٰ علیہ السلام نہ ہوں تو ان کے متعلق یہ خبر دینا کہ وہ موسیٰ ہیں، کذب ہوگا۔ العیاذ باللہ!

آگے چل کر امام شعرانی نے فرمایا

ثم ان المعترض ینکر علی الاولیاء مثل ھذا فی تطوراتھم وقد کان قضیب البان یتطور فیما شاء من الصور فی اماکن متعددۃ وکل صورۃ خوطب فیھا اجاب اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

پھر معترض اولیاء اللہ کے متعدد صورتوں میں ظاہر ہونے کا انکار کرتا ہے حالانکہ حضرت قضیب البان رضی اللہ عنہ جن صورتوں میں چاہتے تھے مختلف مقامات میں متصور ہوکر ظاہر ہو جاتے تھے اور جس صورت میں بھی آپ کو پکارا جاتا تھا آپ ضرور جواب دیتے تھے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (الیواقیت والجواہر جلد۲ ص ۳۶)

بزرگانِ دین کا اپنی روحانیت اور نورانیت کے ساتھ متمثل ہو کر متعدد مقامات میں ظاہر ہونا درحقیقت ایک ایسا کمال ہے جو ان حضرات کو قوت قدسیہ کی تکمیل کے بعد حاصل ہو جاتا ہے۔ دیکھئے صاحب روح المعانی اپنی تفسیر پارہ ۲۳ ص ۱۳ پر ارشاد فرماتے ہیں

والانفس الناطقة الانسانية اذا كانت قدسية قد تنسلخ من الابدان و تذهب متمثلة ظاهرة بصور ابدانها او بصور اخرىٰ كما يتمثل جبريل علیہ السلام ويظهر بصورة دحية او بصورة بعض الاعراب كما جاء فی صحيح الاخبار حيث يشاء الله عز وجل مع بقاء نوع تعلق لها با الابدان الاصلية

یتاتی معه صدور الافعال منها کما یحکی عن بعض الاولیاء قدست اسرارهم انهم یرون فی وقت واحد فی عدة مواضع وما ذاک الا لقوة تجرد انفسهم وغایة تقدسها فتمثل وتظهر فی موضع وبدنها الاصلی فی موضع اٰخر

لا تقل دارها بشرقی نجد ✿ کل نجد للعامریة دار

اور انسانی روحیں جب مقدس ہو جاتی ہیں تو کبھی اپنی بدنوں سے الگ ہو کر ان ہی بدنوں کی صورتوں یا دوسری شکلوں میں ظاہر ہو کر جبریل علیہ السلام کی طرح جیسا کہ دحیہ کلبی یا بعض اعراب کی صورت میں ظاہر ہوتے تھے جس طرح صحیح حدیثوں میں وارد ہوا ہے جہاں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے تشریف لے جاتی ہیں اور ان کا اپنے اصلی بدنوں کے ساتھ ایک قسم کا تعلق بھی باقی رہتا ہے اور وہ تعلق ایسا ہوتا ہے کہ جس کی وجہ سے بدنوں سے ان روحوں کے کام صادر ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ بعض اولیاء قدست اسرارہم کے متعلق منقول ہے کہ وہ ایک ہی وقت میں متعدد مقامات پر دیکھے جاتے ہیں اور یہ بات صرف اس وجہ سے ہے کہ ان کی روحیں قوتِ تجرد اور انتہائے تقدس میں اعلیٰ مرتبہ حاصل کر لیتی ہیں۔ اس وجہ سے وہ روحیں متمثل ہو کر کسی جگہ ظاہر ہوتی ہیں حالانکہ ان کا اصل بدن دوسرے مقام پر ہوتا ہے۔

تم یہ نہ کہو کہ اس کا گھر شرقی جانب میں ہے بلکہ تمام نجد عامریہ کا گھر ہے۔

اس کے بعد متصلاً صاحب روح المعانی فرماتے ہیں

وھذا امر مقرر عند السادة الصوفیة مشهور فیما بینهم وهو غیر طی المسافة و انکار من ینکر کلامنها علیهم مکابرة لا

تصدر الامن جاهل او معاند و عجب العلامة التفتازانی من بعض فقهاء اهل السنة ای کا بن مقاتل حیث حکم بالکفر علیٰ معتقد ماروی عن ابراهیم بن ادهم قدس سره انهم رأوه بالبصرة یوم الترویة ورؤی ذلک الیوم بمکة ومبناه زعم ان ذلک من جنس المعجزات الکبار وهو مما لا یثبت کرامة لولی وانت تعلم ان المعتمد عندنا جواز ثبوت الکرامة للولی مطلقا الا فیما یثبت بالدلیل عدم امکانه کالاتیان بسورة من احدیٰ سورة القرآن وقد اثبت غیرواحد تمثل النفس وتطورها لنبینا ﷺ بعد الوفاة وادعی انه علیه الصلوٰة والسلام قدیری فی عدة مواضع فی وقت واحد مع کونه فی قبره الشریف یصلی و قد تقدم الکلام مستوفی فی ذٰلک وصح انه ﷺ رأی موسیٰ علیہ السلام یصلی فی قبرهٖ عند الکثیب الاحمر راٰه فی السماء وجری بینهما جری فی امر الصلوات المفروضة و کونه علیه الصلوٰة والسلام عرج الی السماء بجسده الذی کان فی القبر بعدان راٰه النبی ﷺ ممالم یقله احد جزما والقول بهٖ احتمال بعید وقد راٰی ﷺ لیلة اسری به جماعة من الانبیاء و غیر موسیٰ علیہ السلام فی السمٰوٰت مع ان قبورهم فی الارض ولم یقل احد انهم نقلوا منها الیها علیٰ قیاس ما سمعت انفاً ولیس ذٰلک مما ادی الحکمیون استحالة من شغل النفس الواحدة اکثر من بدن واحد بل هو امر ورآئه کما لا یخفیٰ علی من نور اللّٰه تعالیٰ بصیرته.

انتھیٰ (روح المعانی پ۲۳ ص ۱۳ مطبوعہ مصر)

اور یہ امر ساداتِ صوفیہ کے نزدیک ثابت شدہ اور ان کے درمیان مشہور ہے اور وہ طے مسافت کے علاوہ ہے اور جو شخص ان دونوں کمالوں (طے مسافت اور بیک وقت مقامات متعددہ میں ان کا موجود ہونا) کا منکر ہے اس کا انکار مکابرہ ہے جو سوائے جاہل یا معاند کے کسی سے صادر نہیں ہو سکتا اور علامہ سعد الدین تفتازانی نے ابن مقاتل جیسے بعض فقہاء اہل سنت پر سخت تعجب کا اظہار کیا ہے اس حیثیت سے کہ انہوں نے ایسے شخص پر کفر کا حکم لگایا جو ابراہیم بن ادہم قدس سرہ کے متعلق اس روایت کا معتقد ہے کہ لوگوں نے انہیں ذی الحج کی آٹھویں تاریخ کو بصرہ میں دیکھا اور وہ اسی دن مکہ میں بھی دیکھے گئے اور ان کے حکم کفر کا مدار اس امر پر ہے کہ انہوں نے یہ گمان کر لیا کہ ایک وقت میں متعدد مقامات پر موجود ہونا انبیاء علیہم السلام کے بڑے معجزات میں سے ہے اور یہ ان امور میں سے ہے جو ولی کے لئے بطور کرامت ثابت نہیں ہو سکتے حالانکہ تو جانتا ہے کہ ہم اہل سنت کے نزدیک معتبر مسلک یہ ہے کہ نبی کا معجزہ ولی کے لئے بطور کرامت ثابت ہو سکتا ہے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا، سوائے اس معجزہ کے جس کا صدور ولی کے حق میں بطور کرامت ناممکن ہو دلیل شرعی سے ثابت ہو جائے جس طرح قرآن مجید کی سورتوں میں سے کسی سورت کی مثل لے آنا (اس کے سوا باقی تمام معجزات خواہ وہ کیسے ہی عظیم الشان ہوں اولیاء اللہ کے لئے بطور کرامت ان کا صدور و ظہور ہو سکتا ہے) اور بکثرت علماء محققین نے حضور ﷺ کے لئے وفات شریف کے بعد آپ کی روح اقدس کے متمثل ہو کر ظہور فرمانے کو ثابت کیا ہے اور یہ

دعویٰ کیا ہے کہ حضور ﷺ بسا اوقات ایک ہی وقت میں بہت سی جگہوں پر دیکھے جاتے ہیں حالانکہ حضور ﷺ اپنی قبر شریف میں نماز پڑھ رہے ہیں اور اس مسئلہ میں اس سے پہلے نہایت تفصیل سے کلام گزر چکا ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ حضور ﷺ نے سرخ رنگ کے ٹیلے کے نزدیک موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر شریف میں کھڑے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں آسمان میں بھی دیکھا اور سب جانتے ہیں کہ فرض نمازوں کے بارے میں حضور ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان کیا گفتگو ہوئی اور نبی ﷺ کو دیکھنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کا اپنے اسی جسم کے ساتھ جو قبر شریف میں تھا، آسمانوں پر لے جایا جانا یقیناً ایسی بات ہے کہ آج تک کسی نے نہیں کی اور ویسے بھی یہ قول احتمال بعید ہے (پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ اور انبیاء علیہم السلام کو بھی آسمانوں پر دیکھا، باوجود اس کے کہ ان کی قبور مقدسہ زمین میں ہیں اور یہ بات بھی آج تک کسی نے نہیں کہی کہ وہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی قبروں سے آسمانوں کی طرف منتقل کر دیئے گئے تھے جیسا کہ تم ابھی سن چکے ہو۔ (ساتھ ہی یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ) بیک وقت متعدد مقامات میں ان مقدس حضرات کا موجود ہونا اس قبیل سے نہیں ہے جس کے محال ہونے کا فلسفیوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ایک روح کا شغل ایک بدن سے زائد بدنوں کے ساتھ ناممکن ہے۔ ان حضرات کا یہ کمال فلاسفہ کی محال قرار دی ہوئی صورت کے علاوہ اور اس سے بہت بلند ہے جیسا کہ یہ حقیقت ان لوگوں پر ظاہر ہے جن کی بصیرت کو اللہ تعالیٰ نے روشن فرما دیا۔

مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی نے روح المعانی کی یہ عبارت فتح الملہم میں نقل کی ہے اور یہ تسلیم کیا ہے کہ حضور ﷺ باوجود اپنی قبر شریف میں رونق افروز ہونے کے بیک وقت متعدد مقامات پر دیکھے جاتے ہیں۔

ملاحظہ فرمایئے فتح الملہم جلد ا ص ۳۰۵ مطبوعہ مدینہ پریس بجنور۔

دیکھئے دیوبندی علماء بھی رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بھی حضور کے متعدد مقامات پر تشریف فرما ہونے کے قائل ہیں۔

فیض الباری جزء اول مطبوعہ قاہرہ ص ۳۰۴ پر انور شاہ صاحب کشمیری فرماتے ہیں

ویمکن عندی رؤیته ﷺ یقظة لمن رزقه الله سبحانه کما نقل عن السیوطی اثنین و عشرین مرة وسأله عن احادیث ثم صححها بعد تصحیحه ﷺ

اور میرے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا جاگتے ہوئے بیداری کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھنا ممکن ہے، جس کو اللہ تعالیٰ یہ نعمت عطا فرمائے۔ جیسا کہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو بائیس مرتبہ دیکھا ہے اور حضور ﷺ سے بعض احادیث کے متعلق سوال کیا پھر حضور علیہ السلام کی تصحیح کے بعد سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو صحیح کرلیا۔

اس کے بعد انور شاہ صاحب نے امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے بھی حضور ﷺ کو دیکھا اور حضور کے سامنے اپنے آٹھ رفقاء کی معیت میں بخاری شریف پڑھی۔ یہ لکھ کر انور شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ فالرؤیة متحققة و انکارها جهل یعنی حضور ﷺ کو بیداری میں دیکھنا متحقق اور

ثابت ہے اور اس کا انکار جہل صریح ہے۔

رہا یہ اعتراض کہ اگر حضور نور ہیں تو آپ کی اولاد بھی نور ہونی چاہئے۔ اس لئے کہ نور سے بشر کا پیدا ہونا ممکن نہیں، عجیب مضحکہ خیز ہے اور علم وعقل کی دنیا میں حیرت انگیز ہے۔ غور فرمایئے کہ عام انسانی پیدائش جن اسباب مادیہ کے تحت ظہور پذیر ہو رہی ہے، وہ اسباب مؤثرۂ حقیقیہ ہیں یا مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ جل مجدہ ہے۔ ظاہر ہے کہ موجودہ اسباب عادی ہیں اور موثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ جب یہ اسباب موثر حقیقی نہیں تو ان کے خلاف کسی امر کا وقوع جس کے ساتھ مشیت ایزدی متعلق ہو جائے، کیونکر محال اور ناممکن ہو جاتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ بشر محض سے نور اور نور سے بشر محض کو پیدا فرمادے۔ نور سے بشر کے ظہور کو محال سمجھنے والا نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ اگر وہ چاہے تو زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ کو پیدا کر سکتا ہے۔ وہ خود اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے۔ تُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ تُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ۔

کذب جیسی قبیح چیز کو اللہ تعالیٰ کے لئے ممکن ثابت کرنے کے لئے آیۂ کریمہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ سے استدلال کرنے والے غور فرمائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کے موقع پر اس آیت کو حجت کیوں قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیا اللہ تعالیٰ نور سے بشر محض پیدا کرنے پر قادر نہیں اور اگر قادر ہے تو امکان مسلّم ہو گیا پھر اعتراض کیلئے گنجائش کہاں رہی؟

اگر اسبابِ عادیہ کے پیشِ نظر استحالہ تسلیم کر لیا جائے تو آدم علیہ السلام کا بغیر مرد و عورت کے پیدا ہونا بھی محال ہوگا اور حضرت حوا علیہا السلام کا آدم علیہ السلام سے ظہور پذیر ہونا بھی ناممکن ہوگا اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ کے پیدا ہونا بھی ممتنع قرار پائے گا حالانکہ یہ تمام پیدائشیں حق و ثابت ہیں تو پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اسباب عادیہ

کے خلاف جب یہ تمام پیدائشیں ممکن بلکہ واقع ہیں تو حضور ﷺ کا نور مجسم ہوتے ہوئے آپ کی اولاد کریمہ کا جسمانی نورانیت کے بغیر پیدا ہونا کیوں کر محال اور ناممکن ہو گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضور ﷺ کی اولاد یقیناً نور کی ہے مگر وہ نور ایسا نور نہیں کہ جو حضور ﷺ کے نور مبارک کی مثل ہو جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ اپنے ہر کمال میں بے مثال ہیں۔ اولاد کریمہ کی نورانیت، علم وعمل، ایمان وعرفان، رشد وہدایت کے مرتبہ سے متجاوز ہو کر حضور ﷺ کی نورانیتِ مقدسہ کے مساوی نہیں ہو سکتی تاکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بے مثل ہونا باطل نہ ہو یوں کہیے کہ حضور کی اولاد نور کی ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود عینِ نور ہیں جیسا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے ؎

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانہ نور کا

حضور کو بھوک، پیاس لگنا اور آپ کا کھانا، پینا، پھر صحبت وامراض کا آپ پر طاری ہونا حتیٰ کہ زخمی ہو کر خون آلود ہونا حضور کے نور ہونے کی منافی نہیں کیونکہ ہم نبی کریم ﷺ کی نورانیت کے ساتھ بشریتِ مطہرہ کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ ذاتِ اقدس میں نورانی اوصاف بتقاضائے نورانیت پائے جاتے ہیں اور بشری صفات بتقاضائے بشریت ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ نوری حقیقتوں کا بشری صورتوں میں ظاہر ہونا ایک ایسی ناقابلِ انکار حقیقت ہے جس کے ثبوت پر کتاب وسنت سے آفتابِ نصف النہار سے زیادہ چمکتے ہوئے دلائل قائم ہیں "فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا" (سورہ مریم پارہ ۱۶) البتہ حضور کی بشریت ملائکہ کی ملکیت سے افضل واعلیٰ ہے اور برتر وبالا ہے حضور کو بشریت ملی مگر وہ بشریت جو نقائص بشریت سے پاک ہے یوں کہیے کہ حضور کی نورانیتِ مقدسہ کو بے عیب بشریت کا لباس پہنا کر اس عالم میں مبعوث فرمایا گیا اور یہ

بشریت اس لئے نہیں دی گئی کہ ہم اسے دیکھ کر حضور کو اپنے جیسا بشر کہیں، بلکہ صرف اس لئے کہ حضور کی جامعیت میں کسی قسم کی کمی باقی نہ رہے اور یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ ذاتِ اقدس جس طرح عالم قدس کی نورانی اور روحانی حقیقتوں کی جامع ہے بالکل اسی طرح وہ ذاتِ پاک عالمِ شہادت کے حقائق جسمیہ و ماہیات مادیہ کی جامعیت سے بھی متصف ہے اگر بشریتِ مطہرہ کے ساتھ ذات اقدس متصف نہ ہوتی تو انسانوں کو اپنی جسمانی زندگی کے ہر شعبہ میں رشد و ہدایت کی دولت سے کون سرفراز کرتا۔ حضور ﷺ نے بشری لباس میں تشریف لاکر انسانی زندگی کے ہر مرحلہ میں اپنی سیرتِ پاک کے وہ مقدس نمونے پیش فرمادیئے جو ابدالآباد تک بطور اسوۂ حسنہ آسمانِ ہدایت پر روشن ستاروں کی طرح چمکتے رہیں گے۔ قال اللہ تعالیٰ "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" بھوک، پیاس، صحت و مرض وغیرہ حالات میں سے اگر کوئی ایک حال بھی حضور پر طاری ہونے سے باقی رہ جاتا تو اسی حالت میں انسان اپنے آپ کو اسوۂ حسنہ کی نعمت سے محروم پاتا۔ حیاتِ انسانی کے وہ تمام مرحلے جن سے انسان اپنے آخری لمحاتِ حیات سے دوچار رہتا ہے، بمنزلہ ایک طویل گزرگاہ کے ہیں جس میں قدم قدم پر نشیب و فراز اور گوناگوں خطرات پائے جاتے ہیں۔ سخت تاریکی اور ظلمت کے وقت ایسے دشوار گزار راستے کو عبور کرنا بے حد دشوار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس گزرگاہ کے ہر ہر قدم پر ہر خطرے اور نشیب و فراز کو ظاہر کرنے کیلئے اپنے نبی ﷺ کے احوالِ بشریہ کے چمکتے ہوئے چراغوں کو قائم فرما کر ہر ایک گزرنے والے کیلئے ایک رہ گزر کو آسان فرمادیا۔ معلوم ہوا کہ حضور کے جن احوال بشریہ کو نورانیت کے منافی قرار دیا جاتا ہے وہ سب ہدایت کے چمکتے ہوئے چراغ ہیں جو کسی تیز ہوا کے جھونکے سے بھی نہیں بجھ سکتے اور ان پر معترض ہونا گویا اس شعر کا مصداق بنتا ہے۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

بھوک، پیاس وغیرہ جتنے اوصافِ بشریہ کو حضور ﷺ کی نورانیتِ مقدسہ کے منافی قرار دیا جاتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیاتِ آسمانی کے عرصہ میں وہ سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے یقیناً منتفی ہیں۔ پس اگر ان کا ثبوت حضور علیہ السلام کی نورانیت کے منافی ہے تو عیسیٰ علیہ السلام کیلئے ان کا انتفاء یقیناً ان کی بشریت کی نفی کی دلیل ہوگا اور اگر یہ نفی بشریت عیسیٰ علیہ السلام کی دلیل نہیں تو وہ انتفاءِ نورانیتِ محمدی کی دلیل کیونکر قرار پاسکتا ہے فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ۔

حضور کی نورانیت کے خلاف یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضور ﷺ کو بشریت سے نکال کر نورانیت کی طرف لے جانا حضور کی توہین ہے اس لئے کہ نوری مخلوق حضور ﷺ کی خادم ہے گویا حضور کو نور قرار دینا حضور کو خدام کی صف میں کھڑا کرنا ہے۔

یہ اعتراض پہلے اعتراضات سے بھی زیادہ مضحکہ خیز ہے۔ ہم نے حضور کو بشریت سے کب نکالا؟ ہم تو بارہا کہہ چکے ہیں کہ حضور ﷺ نورانیت کے ساتھ بشریت سے بھی متصف ہیں۔

حدیث ترمذی سے جو استدلال حضور کی نورانیت پر کیا گیا ہے۔ اس میں معترض کو یہ شبہ ہے کہ حدیث میں تو نور ہونے کی دعا مذکور ہے نہ یہ کہ حضور نور تھے اور نور ہونے کی دعا اس امر کی روشن دلیل ہے کہ کم از کم دعا کرتے وقت حضور نور نہ تھے۔ اگر نور ہوتے تو دعا کی حاجت ہی کیا تھی؟ اگرچہ اس شبہ کا جواب دیا جاچکا ہے لیکن اس میں اجمال تھا۔ اس لئے تفصیل کی ضرورت ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اگر دُعا کرتے وقت تک بقولِ معترض حضور نور نہ تھے تو دعا کرنے کے بعد حضور کی نورانیت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ نیز اگر کسی نعمت کے حصول کی دُعا اس امر کی دلیل ہے کہ دعا

کرتے وقت تک وہ نعمت حاصل نہیں تو دریافت طلب یہ امر ہے کہ رسول اللہ اپنی حیاتِ ظاہری کے آخری وقت تک اپنی ہر نماز میں ''اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ'' کی دعا فرماتے رہے یا نہیں؟ بجز اثبات کے اس کا کوئی جواب نہیں دیا جاسکتا۔ یقیناً حضور ﷺ نے اپنی آخری نماز میں بھی ''اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ'' پڑھا تو کیا نعوذ باللہ آخری وقت تک بھی رسول اللہ ﷺ ہدایت یافتہ نہ تھے؟ العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ! معلوم ہوا کہ جس طرح صراطِ مستقیم پر ہوتے ہوئے حضور ﷺ نے ''اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ'' کی دعا فرمائی بالکل اسی طرح نور ہوتے ہوئے ''اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ نُوْرًا'' کی دعا فرمائی۔

آیہ کریمہ ''قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ'' جس سے حضور ﷺ کی نورانیت پر استدلال کیا گیا ہے، اس کی تفسیر میں مفسرین نے لفظ نور سے حضور ﷺ کی بجائے قرآن بھی تو مراد لیا ہے۔ ایسی صورت میں یہ دعویٰ اس آیت سے کیوں کر ثابت ہوسکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مفسرین اہلسنّت تو نور کی تفسیر اس آیہ کریمہ میں حضور ﷺ کی ذات پاک ہی سے کرتے ہیں البتہ معتزلہ نے یہاں نور کے معنیٰ قرآن بیان کئے ہیں۔ اگر آپ معتزلہ ہیں تو شوق سے نور کے معنی قرآن کیجئے اور کسی معتزلی پر یہ حجت قائم فرمائیے۔ الحمد للہ! میں سنی ہوں۔ یہ حجت اعتزال اہلسنّت پر قائم نہیں ہوسکتی۔

دیکھئے روح المعانی میں ہے

(قَدْ جَآءَ کُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ) عَظِیْمٌ وَھُوَ نُوْرُ الْاَنْوَارِ والنبی المختار ﷺ والی ھذا ذھب قتادة واختاره الزجاج وقال ابو علی الجبائی عنی بالنور القران لکشفه واظهار طرق الهدیٰ والیقین واقتصر علی ذلک الزمخشری

(پ ۶ ص ۸۶ مطبوعہ مصر)

دنیا جانتی ہے کہ ابو علی جبائی رئیس المعتزلہ اور زمخشری امام المعتزلہ ہیں۔ اللہ اللہ ایک تو یہ لوگ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی نورانیت کے خلاف اپنے جذبات کے اظہار میں اس قدر متجاوز ہو گئے کہ معتزلہ کی تقلید کرتے ہوئے نور اور کتاب دونوں سے قرآن ہی مراد لے لیا مگر وہ لوگ بھی دنیا میں اپنے چمکتے ہوئے نشان چھوڑ گئے، جنہوں نے نور اور کتاب مبین دونوں سے رسول اللہ ﷺ ہی کی ذاتِ پاک کو مراد لیا ہے۔ یقین نہ ہو تو روح المعانی کی یہ عبارت پڑھ لیجئے۔ ''**ولا یبعد عندی ان یراد بالنور و الکتاب المبین النبی** ﷺ'' **(پ٦ ص٨٦)**

اس عبارت سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ نور سے قرآن مراد لینا معتزلہ کا مذہب ہے لیکن معتزلہ چونکہ اپنے آپ کو حنفی کہتے تھے اس لئے ہوسکتا ہے کہ بعض حنفی کہلانے والے معتزلہ اپنے عقیدہ کے اعتبار سے فی الجملہ مستور الحال ہوں اور بعض مفسرین اہلسنّت نے انہیں صحیح العقیدہ حنفی سمجھ کر ان کے یہ معنیٰ نقل کر دیئے ہوں۔ بہر حال روح المعانی سے نور بمعنیٰ قرآن کے اصلی ماخذ کا بخوبی پتہ چل گیا اور اچھی طرح واضح ہو گیا کہ اس معنیٰ کا ماخذ و منشاء رؤساء معتزلہ ہیں۔

اگر معترض یہ کہے کہ آیۂ کریمہ ''یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِدًا'' کے لفظ ''شـاھـد'' اور ''شـھـیـد'' کے معنیٰ حاضر و ناظر کرنا صحیح نہیں بلکہ یہاں شاہد و شہید کے معنیٰ صرف گواہ ہیں اور اگر آپ کے ان معنیٰ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو ہر وہ شخص جس کے لئے لفظ شاہد نصوص شرعیہ میں وارد ہوا ہے، حاضر و ناظر ماننا پڑے گا۔ دیکھئے قرآن مجید میں ہے ''وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنۡ اَهۡلِهَا'' پ١٢ کیا یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کا شاہد بھی حاضر و ناظر ہے اور ''وَکَذٰلِکَ جَعَلۡنٰکُمۡ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَکُوۡنُوۡا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ'' (پ٢) سے ثابت ہوا کہ امت محمدیہ کا ہر فرد و بشر حاضر و ناظر ہے۔ نیز ''وَاسۡتَشۡهِدُوۡا شَهِیۡدَیۡنِ مِنۡ رِّجَالِکُمۡ فَاِنۡ لَّمۡ یَکُوۡنَا رَجُلَیۡنِ فَرَجُلٌ

وَّامْـرَ أَتَـانِ مِـمَّـنْ تَـرْضَـوْنَ مِنَ الشُّهَـدَآءِ" کیا آپ کے نزدیک یہ تمام مرد و عورتیں حاضروناظر ہیں؟ اور آیہ کریمہ "وَادْعُوْا شُهَـدَآءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ" میں جن کفار کو شہداء فرمایا گیا ہے کیا وہ بھی آپ کے نزدیک حاضروناظر ہیں؟ "لَـمْ يَـكُـنْ لَّهُمْ شُهَدَاءُ اِلَّا اَنْفُسُهُمْ" نیز "وَمَا شَهِدْنَا اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا" میں بھی "شهداء" اور "شهدنا" کے معنیٰ وہی ہیں جو آپ "شَاهِدًا" میں بیان کرچکے ہیں۔

نیز یہ دعویٰ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام اشیاء اور امور پر شاہد ہیں اس مقام پر مفسرین اور محدثین کے کلام میں "مـن" وغیرہ عموم کے صیغے اپنی اصل پر نہیں بلکہ وہاں عموم سے کثرت مراد ہے اور اگر اصل پر ہونے کا دعویٰ ہے تو دلیل قائم کیجئے۔

تنقیح ۲: کی ذیل میں "شاهداً" سے استدلال کرتے ہوئے مفسرین کی عبارات نقل کی گئی ہیں۔ جیسا کہ تفسیر ابوالسعود سے نقل کیا گیا ہے کہ "شاهداً على من ارسلت اليهم" اس کے بعد صحیح مسلم کی حدیث "اُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَافَّةً" پیش کر کے عباراتِ منقولہ کو حدیث شریف سے ملا کر یہ نتیجہ نکالا گیا کہ حضور ﷺ ساری مخلوق کی طرف رسول ہیں اور جس کی طرف آپ رسول ہیں اس پر آپ شاہد ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ ساری مخلوق پر شاہد ہیں، ایک زبردست مغالطہ اور سفطہ ہے۔

یہ صحیح ہے کہ رسول اللہ ﷺ ساری مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں کن مفسرین کی عبارات میں یہ نہیں کہ حضور ساری مخلوق پر شاہد ہیں بلکہ ان کی عبارات میں "من ارسلت اليهم" ہے اور ظاہر ہے کہ "خلق" عام ہے اور "من" خاص۔ ایک ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے کہ من ذوی العقول کیلئے مستعمل ہوتا ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ حضور ﷺ مبعوث تو ساری مخلوق کی طرف ہیں لیکن شاہد صرف ذوی العقول پر ہیں۔ آپ کی تقریب اس وقت تک تام نہیں ہوسکتی جب تک آپ یہ ثابت نہ کریں کہ من کے عموم میں ذوی العقول اور غیر ذوی العقول سب شامل ہوسکتے ہیں۔

علاوہ ازیں ان تفاسیر کے حوالے بالکل ترک کر دیئے گئے ہیں جن میں آپ کے خلاف تصریح موجود ہے۔ دیکھئے تفسیر جامع البیان میں **"شاھدا" للّٰہ بالوحدانیۃ او علی الناس باعمالھم فی القیامۃ**

(جامع البیان بر حاشیہ جلالین مطبوعہ مجیدی کانپور ص ۳۵۳)

تنقیح ۳: کے ذیل میں آپ نے بڑی کوشش اور محنت سے وہ عبارتیں پیش کی ہیں جن سے نبی کریم ﷺ کا آن واحد میں متعدد مقامات پر تشریف فرما ہونا اور بیک وقت اکثر حضرات کا دور دراز مقامات میں بحالت بیداری حضور ﷺ کو دیکھنا ثابت ہے لیکن آپ نے اس مرحلہ پر بھی اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ اولیاء اللہ کا بحالت بیداری وفات نبوی کے بعد نبی ﷺ کو دیکھنا در حقیقت اولیاء اللہ کا کشف ہے اور کشف والہام سے استدلال کرنا کسی طرح صحیح ثابت نہیں ہو سکتا۔ مسائل اعتقادیہ ہمیشہ کتاب وسنت سے ثابت ہوا کرتے ہیں نہ کہ کشف والہام سے، اس لئے آپ کی یہ تمام محنت بے فاہدہ رہی۔ نیز رسول اللہ ﷺ کے لئے اجسادِ مثالیہ کا ثابت کرنا آپ کے اپنے عقیدے کے بھی خلاف ہے۔ اس لئے کہ اجسادِ مثالیہ حضور کی مثل ہوں گے اور آپ حضور کو بے مثل مانتے ہیں اس تقدیر پر حضور کے لئے امثالِ کثیرہ کا اثبات لازم آئے گا اور آپ کے عقیدہ کے مطابق حضور بے مثل نہ رہیں گے۔

اگر حضور ﷺ کا یقظۃً تشریف فرما ہونا اور مواقع متعددہ میں تشریف لانا وفات شریف کے بعد ممکن ہوتا تو اہم ترین مواقع اور شدید اختلافاتِ امت کے وقت ظاہر ہوتے اور امت مرحومہ کی رہنمائی فرماتے لیکن ساری دنیا جانتی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے زمانے میں کثیر وشدید اختلافات ہوئے حتیٰ کہ زبردست خون ریزی ہوئی لیکن حضور ﷺ نے ظاہر ہو کر اس کا انسداد نہ فرمایا۔ اسی طرح مسائل شرعیہ میں بکثرت علماءِ امت حضرات مجتہدین کرام کے اختلافات ہوئے لیکن کسی موقعہ پر بھی حضور علیہ

الصلوٰۃ والسلام نے تشریف لا کر اظہارِ حق نہ فرمایا۔ معلوم ہوا کہ یہ سب من گھڑت افسانے ہیں جن کی کوئی حقیقت اور واقعیت نہیں۔

آپ نے شاہ عبدالحق صاحب کا ایک قول ان کے مکتوبات سے حاضر و ناظر کے ثبوت میں نقل کیا ہے۔ اس کے جواب میں اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ حاضر و ناظر کے مسئلہ میں شاہ عبدالحق صاحب نے جو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ امت محمدیہ میں ایک شخص کو بھی اس مسئلہ میں اختلاف نہیں، مشاہدہ کے خلاف ہے۔ پھر یہ کہ انہوں نے صرف اعمالِ امت پر حضور ﷺ کو حاضر و ناظر کہا ہے اور آپ ہر ذرہٗ کائنات پر حضور ﷺ کو حاضر و ناظر مانتے ہیں۔ آپ کے دعویٰ پر ان کا قول کہاں منطبق ہوتا ہے؟

ہر ذرہٗ کائنات میں حقیقت محمدیہ کو جاری و ساری ماننا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شدید توہین ہے۔ سب جانتے ہیں کہ ذواتِ کائنات میں ناپاک اور خبیث اشیاء بھی شامل ہیں اور شرم و حیا کے مواقع بھی اس کے عموم میں داخل ہیں تو کیا پیشاب، پاخانہ، کتا، بلی وغیرہ ناپاک، حرام اور خبیث اشیا ہیں اور اسی طرح شیاطین کفار و منافقین اور طبقات جہنم کے اندر بھی حضور کے نور کی شعاعیں پائی جاتی ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو آپ نے اپنے دعویٰ کو خود ہی باطل قرار دے دیا اور اگر اثبات میں ہے تو اس سے بڑھ کر حضور کی کیا توہین ہوگی کہ ہر خبیث و قبیح اور نجس و ناپاک چیز میں حضور کی حقیقت مبارکہ کے جلووں کو تسلیم کیا جائے۔ العیاذ باللہ! نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاضر و ناظر جاننے کی تقدیر پر حضور ﷺ ہر ایک کے نزدیک موجود ہوں گے۔ ایسی صورت میں کسی شخص کو بلند آواز سے کلام کرنا کسی وقت بھی جائز نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اور وَلَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ ان آیات کے ہوتے ہوئے اونچی آواز سے بولنا کسی مسلمان کے لئے کسی طرح جائز

نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا عند الضرورت اونچی آواز سے بولنے والے یا تو حضور کو حاضر و ناظر نہیں سمجھتے یا جان بوجھ کر حکمِ خداوندی کی مخالفت کرتے ہیں۔

مزید برآں کئی آیاتِ قرآنیہ حضور کے حاضر و ناظر ہونے کی نفی کرتی ہیں۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِنَا (قصص) اور نہ تھے آپ نازل اہل مدین میں کہ ان پر ہماری آیتوں کی تلاوت کرتے اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْنَادَيْنَا۔ (سورۂ قصص)

''اور نہیں تھے آپ طور کی جانب میں جب ہم نے آواز دی''

اور سنئے ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ (آلِ عمران)

''اور نہ تھے آپ ان کے قریب جب وہ ڈالتے تھے اپنی قلموں کو''

ان تمام آتیوں سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ حاضر و ناظر نہیں ورنہ ان مواقع اور مقامات پر حضور کا موجود نہ ہونا کیا معنیٰ رکھتا ہے۔ اس مضمون کی بکثرت آیات قرآن پاک میں موجود ہیں۔

اب احادیث کی طرف آیئے تو ایک حدیث معراج ہی حاضر و ناظر کے مسئلہ کا قلع قمع کرنے کے لئے کافی ہے۔ ہر شخص جانتا ہے شب معراج حضور ﷺ جب مکہ سے بیت المقدس کی طرف چلے تو مکہ میں حضور نہ رہے۔ پھر جب مسجد اقصیٰ سے پہلے آسمان پر پہنچے تو مسجد اقصیٰ حضور سے خالی ہوگئی اور دوسرے آسمان پر پہنچے تو پہلے پر آپ نہ رہے۔ اسی طرح ساتوں آسمانوں کی طرف چلے جایئے پھر جب حضور وہاں سے واپس آئے تو سماوات حضور کے وجود سے خالی ہوگئے۔ اگر حاضر و ناظر کا مسئلہ حق ہو تو معراج باطل ہوتی ہے کیونکہ جانے اور آنے کے معنیٰ یہ ہیں کہ جانے سے پہلے

جانے والا اس مقام پر موجود نہیں جہاں جانا چاہتا ہے اور آنے کے بعد اس جگہ نہیں رہا جہاں سے آیا ہے اس لئے حاضر و ناظر کے عقیدے کے ساتھ معراج کا عقیدہ جمع نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ معراج کے قائل ہیں تو حاضر و ناظر کا انکار کیجئے اور اگر حاضر و ناظر کو صحیح مانتے ہیں تو عقیدۂ معراج سے دستبرداری کا اعلان فرمائیے۔

یہ اعتراض کہ اگر ”شاہداً“ کے معنیٰ حاضر و ناظر ہیں تو قرآن و حدیث میں جس جس کے متعلق شاہد و شہید کا لفظ فرمایا گیا ہے۔ ان سب کو حاضر و ناظر ماننا پڑے گا۔ اس کے جواب میں عرض ہے کہ شاہد و شہید کے معنیٰ تو حاضر و ناظر ہی کے ہیں جیسا کہ مفردات امام راغب اصفہانی کی مفصل عبارات پیش کی جا چکی ہیں لیکن معترض نے اس بات پر بالکل غور نہیں کیا کہ ہر شاہد و شہید اسی چیز پر حاضر و ناظر ہو گا جس پر شاہد و شہید ہے اگر کوئی شخص آپ کے کسی معاملہ کا گواہ ہے تو اس کا حاضر و ناظر ہونا اسی واقعہ کے ساتھ خاص ہے نہ یہ کہ وہ تمام واقعاتِ عالم پر حاضر ناظر ہے۔ آپ نے جو آیتیں معارضے میں پیش کی ہیں، ان میں کوئی شاہد و شہید بھی ایسا مذکور نہیں جس کی شہادت تمام عالم پر منصوص ہو بخلافِ رسول کریم ﷺ کے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ”شاھد علیٰ من ارسلت الیھم“ یعنی جس کی طرف آپ رسول ہیں اس پر شاہد بھی ہیں اور مسلم شریف کی حدیث میں پیش کر چکا ہوں کہ حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں۔ اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً اگر شاھد علی من ارسلت الھم اور ارسلت الی الخلق کافۃ دونوں کو ملا کر نتیجہ نکالیں تو بڑی آسانی سے سمجھ لیں گے کہ حضور ﷺ ”شَاھِدًا عَلَی الْخَلْقِ کَافَّۃً“ ہیں۔ یعنی تمام مخلوق پر شاہد ہیں۔ اب سوچئے کہ یہ معارضہ کہاں تک صحیح ہے؟

لفظ ”من“ کے متعلق جو اعتراض کیا گیا اس کے جواب سے پہلے اس شبہ کا ازالہ ضروری ہے کہ قرآن کریم میں امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ کو مخاطب فرما

کر یہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ”لِتَکُونُوا شُھَدَاءَ عَلَی النَّاسِ“ ہم نے تم کو امت عادل اس لئے بنایا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ۔ ”الناس“ اسم جنس ہے، لہٰذا حضور کی امت کا تمام لوگوں پر شہید ہونا ثابت ہوا اس لئے ماننا پڑے گا کہ جب وہ تمام لوگوں پر شہید ہیں تو وہ ان سب پر حاضر و ناظر بھی ہوں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ کسی لفظ کے مرادی معنیٰ ہر مقام پر ایک ہی ہوں بلکہ اصول یہ ہے کہ جس مقام پر بھی کسی لفظ کے معنیٰ متعین کئے جائیں تو پہلے یہ دیکھ لیا جائے کہ اس مقام میں ان معنیٰ کی تعیین کسی دلیل کے خلاف تو نہیں۔ اگر کوئی دلیل اس کے خلاف پر قائم نہ ہو تو وہ معنیٰ یقیناً حق ہوں گے اور اگر اس معنیٰ کے خلاف پر کوئی دلیل قائم ہو تو ان کے باطل ہونے میں کوئی شک نہیں۔

بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ یہ اعتراض بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ مرزائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کرنے کے لئے قرآنِ مجید کی وہ تمام آیتیں پڑھ دیتے ہیں جن میں لفظ ”توفیٰ“ بمعنیٰ موت وارد ہے اور اس امر کو قطعاً نظر انداز کر دیتے ہیں کہ آیۂ کریمہ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ میں ’’توفیٰ‘‘ بمعنی موت مراد لینے کے خلاف کتاب وسنت کے بے شمار دلائل قائم ہیں۔

معترض اس امر پر غور کرے کہ جس طرح قرآن مجید کی متعدد آیات میں ”تَوَفِّیْ“ بمعنیٰ موت مستعمل ہے لیکن ہم ان استعمالات کو ’فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ‘‘ میں ’’تَوَفِّیْ‘‘ بمعنیٰ موت ہرگز بطور نظیر پیش نہیں کر سکتے۔ بالکل اسی طرح ’’شُھَدَاءَ عَلَی النَّاسِ‘‘ کے مرادی معنیٰ کو شاہداً کے مقابلہ میں بطور نظیر نہیں لا سکتے۔

اس اجمال کی تفصیل کے لئے گزارش ہے کہ شاہد اور شہود کے معنیٰ تو حاضر ہونا اور دیکھنا ہی ہیں لیکن محاورات اور مقامات کے اختلاف سے حاضر و ناظر ہونے کی نوعیت میں ضرور تبدیلی ہو جاتی ہے اور اس تبدیلیٔ نوعیت کی وجہ سے حاضر و ناظر کا

مفہوم باقی رہتے ہوئے لفظِ شہادت اور شاہد وشہید کے معانی کثیرہ ہو گئے باوجود ان کثرت معانی کے حقیقی معنیٰ کسی رنگ میں ہر استعمال میں موجود ہیں۔ بطورِ نمونہ چند معانی مفرداتِ راغب، مجمع بحار الانوار، منجد، مختار الصحاح وغیرہ کتبِ معتبرہ متداولہ سے نقل کرتا ہوں۔

شہادت

۱: ظاہری یا باطنی آنکھ کے ساتھ دیکھتے ہوئے حاضر ہونا
(شہود کے معنی بھی یہی ہیں)

۲: عالَم موجوداتِ ظاہری

۳: خدا کی راہ میں جان دینا

۴: قسم

۵: یقینی خبر

شاہد: ظاہری یا باطنی آنکھ کے ساتھ دیکھ کر حاضر ہونے والا

۶: زبان

۷: ستارہ

۸: املاک الامر (کسی شے کا دارومدار)

شہید: ظاہری یا باطنی آنکھ کے ساتھ دیکھتے ہوئے حاضر ہونے والا

۹: اپنی شہادت میں امانت داری سے کام لینے والا

۱۰: وہ ذات جس کے علم سے کوئی شے غائب نہ ہو اور اللہ کی راہ میں جان دینے والا

اگر آپ ان معانی کو مختلف محاورات اور مقاماتِ استعمال میں بغور ملاحظہ

فرمائیں تو آپ پر واضح ہو جائے گا کہ شہادت اور شہود کے حقیقی معنیٰ **الحضور مع المشاہدہ** کا اعتبار ہر محاورے اور محل استعمال الفاظ میں پایا جاتا ہے۔ البتہ حیثیات مختلف ضرور ہوں گی جو کسی حال میں ہمارے دعویٰ کے لئے مضر نہیں۔

حضور ﷺ کے لئے شاہد و شہید کے الفاظ جو قرآن مجید میں ارشاد ہوئے ہیں ان کے معنیٰ وہی ہیں جو دلائل کے ساتھ بیان کئے جا چکے ہیں۔ وہ تمام دلائل میرے مرادی معنیٰ کے ثبوت کے لئے کافی ووافی ہیں۔ چنانچہ ان کا اجمالی تذکرہ پھر کئے دیتا ہوں کہ

۱: حضور ﷺ اصل کائنات اور اول مخلوقات ہیں۔ **اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ** (مدارج النبوۃ جلد۲ ص ۱) اور یہ حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔
(مواہب اللدنیہ جلد۱ ص ۹)

۲: پھر یہ کہ اشعۃ اللمعات اور دیگر کتب معتبرہ سے نقل کر چکا ہوں کہ حقیقت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ذواتِ عالم میں جاری وساری ہے۔

۳: علاوہ ازیں حضور سید عالم کا خواب میں زیارت کرنے والے مومنین کے لئے بیداری میں جمال جہاں آراء کے دیدار سے مشرف ہونے کا وعدہ متفق علیہ حدیث میں وارد ہے اور نقول کثیرہ سے اولیاء وعرفاء کے لئے اس کا وقوع بھی ثابت ہے اور بعد الوفاۃ امکنہ متعددہ میں تشریف فرما ہو کر امت کی رہنمائی ودستگیری فرمانا بھی ثابت ہے۔

۴: اس کے بعد دنیا ومافیہا کو کفِ دست کی طرح دیکھنا بھی حضور ﷺ کے لئے حدیث صحیح میں وارد ہے جیسا کہ کنز العمال میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ قَدْ رَفَعَ لِیَ الدُّنْیَا فَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْهَا وَاِلٰی مَاهُوَ
كَائِنٌ كَاَنَّمَا اَنْظُرُ اِلٰی كَفِّیْ هٰذَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ

۵: اور وَيَكُوْنُ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا کی تفسیر میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر فتح العزیز ص ۵۱۸ کی یہ مشہور عبارت بھی آپ کے سامنے ہے یعنی

”وباشد رسولِ شما بر شما گواہ زیرا کہ او مطلع است بنورِ نبوت بر مرتبہ ہر متدین بدیں طور کہ در کدام درجہ از دینِ من رسیدہ و حقیقتِ ایمان او چیست وحجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس او می شناسد گناہانِ شمارا و درجات ایمانِ شمارا و اعمالِ نیک و بد شمارا و اخلاص و نفاقِ شمارا۔“

۶: ”يَا اَيُّهَا النَّبِىُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا“ کی تفسیر میں مفسرین کی تصریحات پیش کر چکا ہوں کہ حضور کا شاہد ہونا ان تمام مخلوقات پر ہے جن کی طرف حضور رسول بن کر مبعوث ہوئے ہیں۔ علیٰ من ارسلت الیھم جیسی عبارات کثیرہ تفاسیر معتبرہ سے نقل کر چکا ہوں۔ یہ تمام دلائل ایک منصف مزاج کو یہ تسلیم کرنے پر مجبور کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا حاضر و ناظر ہونا عام ہے۔ اگر اسی قسم کے دلائل حضور ﷺ کی امت کے حق میں آپ قائم کر دیں تو میں تسلیم کر لوں گا کہ ”شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ“ اور آپ کی باقی پیش کردہ تمام آیات جن میں لفظِ شاہد و شہید وارد ہے، ان سب کے وہی معنیٰ ہیں جو نبی ﷺ کے حق میں واردشدہ شاہد و شہید کے مرادی معنیٰ ہیں۔ جب تک غیر نبی کے حق میں آپ اسی قسم کے دلائل قائم نہ کریں اس وقت تک آپ کا معارضہ تمام نہیں ہو سکتا۔

تمام تفاسیر معتبرہ میں اس مضمون کی تصریح موجود ہے کہ ”شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ“ کے یہ معنیٰ ہیں کہ حضور ﷺ کی امت کے عادل لوگ قیامت کے دن پچھلی

امتوں پر اس امر کی گواہی دیں گے کہ انبیاء علیہم السلام نے ان تمام احکاماتِ الٰہیہ کی تبلیغ فرما دی۔ وہ امتیں اعتراض کریں گی کہ یہ ہمارے زمانے میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے حاضر و ناظر نہ تھے تو ان کو ہمارے خلاف گواہی دینے کا کیا حق ہے؟ اس اعتراض کے جواب میں امت محمدیہ یہ نہ کہے گی کہ شہید کے معنیٰ حاضر و ناظر نہیں بلکہ ان کے اس اعتراض کا یہ جواب دے گی کہ تبلیغ انبیاء علیہم السلام کا یقینی علم ہی ہم کو نبی کریم ﷺ کے ذریعہ حاصل ہوا ہے جو ہمارے مشاہدہ سے زیادہ یقینی ہے۔ اس لئے ہم گواہی کے اہل ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو حضور کی امت پر شاہد بنائے گا اور حضور ﷺ اپنے غلاموں کا تزکیہ فرماتے ہوئے ان کے تمام افعال واعمال ایمان واعتقادیات ظواہر وبواطن کی گواہی دیں گے۔

جب مفسرین نے حضور کے شہید ہونے اور امت کے شہید ہونے کے ایک معنی مراد نہیں لئے بلکہ دونوں معنیٰ کی جداگانہ تفسیر فرما دی تو کسی اور کو کیا حق حاصل ہے کہ تصریحات مفسرین کے خلاف دونوں کی شہادت کو یکساں قرار دیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کا ”**حضور مع المشاهده**“ بلا تاویل ہے اور حضور کی امت کا ”**حضور مع المشاهده**“ بتاویل علم یقینی ہے اور یہ تاویل ایسی نہیں جو میں نے بلا دلیل پیش کی ہو بلکہ مفسرین کی تصریحات کے حوالہ سے عرض کی ہے۔

اس تمام گفتگو کے بعد میں عرض کروں گا کہ اگر معترض کے معارضہ کے جواب میں یہ گزارش کروں کہ ”**حضور مع المشاهده**“ کا جو کمال حضور ﷺ کے لئے کتاب وسنت کی روشنی میں ثابت ہو چکا ہے۔ اگر حضور ﷺ کی اتباع میں کاملین میں ”**علی سبیل التبعية**“ اس کمال کا پایا جانا کمالِ محمدی کی دلیل ہوگی جو میرے دعویٰ کی مزید مؤید قرار پائے گی۔ معارضہ تو اس وقت ہو جب کہ میرے دعویٰ کے خلاف کوئی چیز مجھ پر لازم آئے۔ جب کاملین کا یہ کمال کمالِ مصطفوی کی دلیل بلکہ

عین کمال محمدی (ﷺ) قرار پایا تو میرا یہ دعویٰ اور بھی مستحکم ہو گیا اور اس چیز کو معارضہ قرار دینا انتہائے تسامح یا کمالِ قلتِ تدبر کی روشن دلیل ہوگا۔

میرے اس قول کی تائید میں مسلم بین الفریقین علماء کی بہت سی چمکتی ہوئی عبارتیں موجود ہیں جن میں سے چند مختصر نقول پیش خدمت کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیے۔ روح البیان جلد ۱ ص ۹۹ پر ہے

قال الغزالی رحمہ اللہ تعالیٰ والرسول له الخیار فی طواف العالم مع ارواح الصحابة رضی اللہ عنہم لقد راٰہ کثیر من الاولیاء

اخبار الاخیار شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۵ پر حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا قول منقول ہے

"بعزت پروردگار کہ نیک بختاں و بد بختاں ہمہ عرض کردہ می شوند بر من و نظر من در لوح محفوظ است منم غواص دریائے علم و مشاہدہ الٰہی من حجتِ خداوندم بر تمامہ شما و نائبِ رسول اللہ و وارثِ اویم" انتہی

کبریتِ احمر ص ۱۶۵۔

واما شیخنا سیدی علی الخواص فسمعته یقول لا یکمل الرجل عندنا حتی یعلم حرکات مریده فی انتقاله فی الاصلاب وهو نطفة من الیوم الست بربکم الیٰ استقراره فی الجنه او النار واللہ تعالیٰ اعلم

اس کے علاوہ اولیاءِ کاملین کے بیک وقت امکنہ متعددہ میں موجود ہونے اور تصرف کرنے پر بعض عبارات منقول ہو چکی ہیں۔ ان سب کا مفاد یہ ہے کہ کاملین امت کا آنِ واحد میں امکنہ متعددہ میں موجود ہو جانا ذراتِ کائنات کو دیکھ لینا اور اکوانِ عالم کا مشاہدہ فرمانا ایک ایسا کمال ہے جو حضور ﷺ کی اتباع میں ان حضرات

کو حاصل ہے اور در حقیقت یہ کمال حضور ہی کا ہے جو ان حضرات کے آئینہ قلوب میں ظاہر ہو۔ بناء بریں معارضہ مذکورہ ہی نہیں جس کے جواب کی طرف توجہ کی جائے۔

نیز یہ اعتراض کہ مفسرین کے کلام میں تحت آیہ کریمہ ''شاھدا علیٰ من ارسلت الیھم'' میں اپنی اصل پر نہیں بلکہ عام مخصوص البعض ہے اور اگر اس کے اصل پر ہونے کا دعویٰ ہے تو اس پر دلیل قائم کیجئے۔

سبحان اللہ! اعتراض کتنا معقول ہے کہ اصل کو ثابت کرنے کے لئے دلیل قائم کی جائے اور مخالف خلاف اصل قول کرنے کے باوجود اقامت دلیل سے بے نیاز رہے۔ عجیب فلسفہ ہے۔ یاد رہے کہ کسی لفظ کے اصل پر ہونے کا دعویٰ محتاج دلیل نہیں ہوا کرتا۔ البتہ عدول عن الاصل کے لئے دلیل کی حاجت ہوا کرتی ہے۔ اس لئے اقامت برہان معترض کے ذمہ ہے۔ دیکھئے اصولیین تصریح فرما رہے ہیں

> من وما یحتملان العموم و الخصوص و اصلھما العموم یعنی انھما فی اصل الوضع للعموم ویستعملان فی الخصوص بعارض القرائن. (نور الانوار ص ۶۱)

اور جب خصوص کا کوئی قرینہ نہیں تو اصل عموم ہی برقرار رہا۔

یہ کہنا کہ آیہ کریمہ ''یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا'' سے اس وقت تک تقریب تام نہیں ہو سکتی جب تک یہ ثابت نہ کر دیا جائے کہ مــن ذوی العقول اور غیر ذوی العقول سب کے لئے عام ہے۔ کیوں کہ حضور شاہد ہیں من ارسلت الیھم اور من ذوی العقول کے لئے ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور صرف ذوی العقول پر شاہد ہیں اور مبعوث تمام مخلوق کی طرف ہیں جن میں ذوی العقول اور غیر ذوی العقول سب شامل ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ واقعی ''مَنْ'' ذوی العقول کے لئے ہے اور صرف غیر ذوی العقول میں اس کا استعمال نہیں ہوتا لیکن جس وقت غیر

ذوی العقول میں ذوی العقول بھی شامل ہوں تو اس وقت بشمول عقلاء اس کا اطلاق غیر ذوی العقول پر بھی ہوا کرتا ہے۔

مفردات امام راغب اصفہانی ص ۴۹۲ پر ہے

ومن عبارة عن الناطقين ولا يعبر به عن غير الناطقين الا اذا جمع بينهم وبين غيرهم

قرآن کریم میں دو آیتیں ایسی موجود ہیں جن میں کلمہ ”مَنْ“ عقلاء اور غیر عقلاء سب کو شامل ہے۔ ملاحظہ فرمائیں

۱: وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
۲: وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کیا عقلاء اور غیر عقلاء میں کوئی ایسا فرد ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے (اختیاری یا غیر اختیاری طور پر) نہ جھکا ہو یا اس کے لئے سجدہ ریز نہ ہوا ہو؟

تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۳۳۷ مطبوعہ مصر میں تحت آیہ کریمہ وَلَهٗ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مرقوم ہے

فهٰذا الاية تفيدان واجب الوجود واحد وان كل ماسواه فانه لا يوجد الابتكوينه ولا يفنى الابافنائه سواء كان عقلاً او نفسًا او روحًا او جسماً او جوهراً او عرضاً او فاعلاً او فعلاً و نظير هٰذه الأية فى الدلالة علىٰ هٰذا المعنىٰ قوله تعالىٰ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

جس طرح امام فخر الدین رازی نے ان دونوں آیتوں میں کلمہ ”مَنْ“ عقلاء وغیر عقلاء کے لئے عام رکھا ہے اسی طرح ”من ارسلت الیهم“ میں کلمہ ”مَنْ“ عقلاء وغیر عقلاء سب کو شامل ہے اور ”اُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ كَافَّةً“ میں جتنے افراد

ہیں من ارسلت ان سب کو حاوی ہے۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ جس کی طرف آپ مبعوث ہیں اس پر آپ شاہد بھی ضرور ہیں اور حضور کی بعثت کل مخلوق کی طرف ہے، لہٰذا وہ حاضر و ناظر بھی کل مخلوق پر ہیں۔

جامع البیان کی عبارت کو ہمارے دعوے کے خلاف قرار دینا بھی غلط ہے۔ کیوں کہ صاحب جامع البیان نے حضور ﷺ کو شاہد بالوحدانیۃ یا شاہد علیٰ احوال الناس قرار دے کر ادعائے حصر کہاں فرمایا ہے اور کس لفظ سے ماسوا مذکور کی نفی معلوم ہوتی ہے۔ جب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر چیز پر شاہد ہیں تو احوال الناس حضور کی شہادت سے کب مستثنیٰ رہ سکتے ہیں بلکہ اس حساب سے تو حضور کی شاہدیت کی تعمیم ظاہر ہوتی ہے اور وہ اس طرح کہ پہلی عبارات میں تو حضور کا تمام مخلوق پر شاہد ہونا ثابت ہوا تھا۔ یہاں اللہ کی وحدانیت پر بھی حضور کی شاہدیت ثابت ہو گئی۔ اب آپ ہی بتائیں کہ عبارت سے معترض کو کیا فائدہ پہنچا۔

رہا یہ اعتراض کہ عقائد کتاب و سنت سے ثابت ہوتے ہیں نہ کہ کشف و الہام سے، اس کے جواب میں گزارش ہے کہ اولیاء اللہ کے کشف و الہام کو مطلقاً نظر انداز کر دینا کسی طرح جائز نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ کشف و الہام سے آیاتِ محکمات و دلائل قطعیہ کی طرح علم یقینی حاصل نہیں ہوتا لیکن اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ کشف و الہام دلیل ظنی بھی نہیں۔ حدیث شریف میں ہے

اِتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ

(ترمذی جلد ۲ سورۃ الحجر کتاب التفسیر ص ۱۴۰)

صاحب نبراس اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں

وضع بعض المحدثین و الحق انه صحیح

(نبراس ص ۱۰۸ مطبوعہ خضر مجتبائی ملتان)

یہی صاحب نبراس اسباب علم کے حصر پر اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ”وثالثا بان الفراسة ظنية و كلا منافی اليقين“ معلوم ہوا کہ کشف والہام دلائل ظنیہ میں سے ہیں۔ اگر دلائل ظنیہ کو آپ مسائل ظنیہ میں حجت نہیں مانیں گے تو قیاسات مجتہدین بلکہ اخبارِ احاد کو بھی ساقط الاعتبار قرار دینا پڑے گا جو اہل علم کے نزدیک صحیح نہیں۔ حاضر و ناظر کا مسئلہ قطعیات سے نہیں بلکہ بابِ فضائل سے متعلق ہے اس لئے اس کے ثبوت میں دلائل ظنیہ قابل احتجاج ہیں۔ علاوہ ازیں یہ کہ میں نے صرف وہ نقول ہی پیش نہیں کی تھیں بلکہ میرا اصل استدلال کتاب وسنت ہی سے ہے، جس کی تائید میں عباراتِ منقولہ پیش کی گئی ہیں۔ لہٰذا یہ اعتراض بھی بے بنیاد ہے۔

نیز یہ اعتراض کہ رسول اللہ ﷺ کے اجساد مثالیہ ثابت کرنا حضور کی بے مثلی کا انکار کرنا ہے۔ کیوں کہ اجسادِ مثالیہ کو تسلیم کرنے سے لاتعدد و لا تحصیٰ امثال حضور کے لئے ماننا پڑیں گے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مثل کے لئے مغائرت شرط ہے جو چیز کسی کی مثل ہو ضروری ہے کہ وہ اس چیز کا غیر بھی ہو لیکن اجسادِ مثالیہ رسول اللہ ﷺ کا غیر نہیں۔ اس لئے ان کو مثل کہنا بھی غلط ہے۔

اگر یہ مسئلہ اس طرح نہ سمجھا جا سکے تو یوں سمجھ لیجئے کہ قرآن مجید کے متعلق ہمارا ایمان ہے کہ وہ بے مثل کتاب ہے۔ قرآن کریم نے علی الاعلان فرمایا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ اب اگر کوئی منکر قرآن آپ سے کہے کہ آپ کوئی سورت پڑھیئے میں اس کا مثل پیش کرتا ہوں آپ نے سورۂ کوثر پڑھی اور اس نے بھی آپ کے سامنے اسی سورت کو پڑھ دیا اور دعویٰ یہ کیا کہ میں نے جو کچھ پڑھا ہے وہ آپ کی قرأت کے بعد پڑھا ہے اگر پڑھی ہوئی سورۃ بعینہٖ وہی ہے جو آپ نے پڑھی تھی تو لازم آتا ہے کہ ایک شے اپنی ذات سے مؤخر ہو جائے اور یہ محال ہے۔ لہٰذا آپ کو ماننا پڑے گا کہ میں نے جو سورۃ پڑھی وہ آپ

کی پڑھی ہوئی سورت نہیں تو کیا آپ اس کے معارضہ کو صحیح تسلیم کرلیں گے؟ نہیں اور یقیناً نہیں! پس جس طرح قرآنِ کریم کی ایک سورت لا تعد ولا تحصی قرائتوں میں ظاہر ہونے سے ایک دوسرے کی غیر اور اس کی مثل قرار نہیں پا سکتی، اسی طرح متعدد اور بے شمار اجسادِ مثالیہ میں ذات پاک مصطفٰے ﷺ کے ظہور فرمانے سے کوئی جسد مثالی آپ کا غیر نہیں ہوسکتا اور قرآنِ کریم متعدد صحیفوں کی شکل میں پایا جاتا ہے لیکن پھر وہ ایک ہی ہے۔ یہ نہیں کہ وہ متعدد قرآن کریم آپس میں ایک دوسرے کا غیر قرار پا کر سب قرآن منزل من اللہ کے امثال ہو جائیں اور اس طرح قرآن کی بے مثلی کا دعویٰ نعوذ باللہ باطل ہو جائے بلکہ وہ تمام قرآنِ مجید خواہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں عین قرآن منزل من اللہ ہیں اور ان کو کثیر یا متعدد کہنا محض ظاہر کے اعتبار سے ہے۔ حقیقتاً قرآن ایک ہے۔ بالکل اسی طرح کثیر اجسادِ مثالیہ ذاتِ پاکِ مصطفٰے ﷺ کے امثال ونظائر ہیں۔

اور یہ اعتراض کہ اگر رسول اللہ ﷺ کا بعد الوفاۃ بیداری میں نظر آنا اور امکنہ متعددہ میں بیک وقت تشریف فرما ہونا ممکن ہے تو کیا یہ تشریف آوری اختلافات امت کے موقع پر نہ ہوتی۔ خصوصاً صحابہ کرام کے زمانہ میں جو شدید اختلافات ہوئے پھر ائمہ مجتہدین کے مابین مسائل فقہ میں اختلاف رہا۔ اس کے علاوہ بکثرت مواقع ایسے ظاہر ہوئے جن میں تشریف آوری اور امت کی رہنمائی اشد ضروری تھی لیکن عہد صحابہ وغیرہ میں کبھی حضور ﷺ یقظۃً ظاہر نہ ہوئے۔ لہٰذا یہ سب صوفیوں کی من گھڑت کہانیاں ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔

بجائے اس کے کہ اس اعتراض کا جواب میں اپنے لفظوں میں دوں مناسب سمجھتا ہوں کہ یہ اعتراض اور اس کا جواب تفسیر روح المعانی سے نقل کردوں تاکہ زیادہ ردوقدح کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ سنیئے روح المعانی پارہ ۲۲ ص ۳۷ مطبوعہ مصر میں ہے

والحاصل انه لم يبلغنا ظهوره عليه الصلوٰة والسلام لاحد من اصحابهٖ واهل بيتهٖ وهم مع احتياجهم الشديد لذٰلک وظهوره عند باب مسجد قبا كما يحكيه بعض الشيعة افتراء محض وبهت بحت وبالجملة عدم ظهوره لاولٰئک الكرام وظهوره لمن بعدهم مما يحتاج الیٰ توجيه يقنع به ذوالافهام ولا يحسن منى ان اقول كل ما يحكى عن الصوفية من ذٰلک كذب لا اصل له لكثرة حاكيه وجلالة مدعيه وكذالايحسن منى ان اقول انهم انما رأوا النبى صلى اللّٰه عليه وسلم منا ما فظنوا ذٰلک لخفة النوم وقلة وقت يقظة فقالوا رأينا يقظة لما فيه من البعد ولعل فى كلامهم ما يأباه وغاية ما اقول ان تلک الرؤية عن خوارق العادة كسائر كرامات الاولياء ومعجزات الانبياء عليهم السلام وكانت الخوارق فى الصدر الاول لقرب العهد بشمس الرسالة قليلة جدا وانى يرى النجم تحت الشعاء او يظهر كوكبا وقد انتشر ضوء الشمس فى البقاع فيمكن ان يكون قد وقع ذٰلک لبعضهم على سبيل الندرة ولم تقتض المصلحة افشاء ہ ويمكن ان يقال انه لم يقع لحكمة الابتلاء او لخوف الفتنة اولان فى القوم من هو كالمرأة له صلى اللّٰه عليه وسلم او ليهرع الناس الیٰ كتاب اللّٰه تعالیٰ وسنتهٖ صلى اللّٰه عليه وسلم فيما يهمهم فيتسع باب الاجتهاد وتنشر الشريعةوتعظم الحجة التى يمكن ان

يعقلها كل احدا ولنحو ذٰلك وربما يدعى انه عليه الصلوٰة والسلام ظهر ولكن كان مستترا فى ظهوره كما روى ان بعض الصحابة احب ان يرى رسول الله صلى الله عليه وسلم فجاء الىٰ ميمونة رضى الله عنها فاخرجت له مرأته فنظر فيها فرأى صورة رسول الله عليه الصلوٰة والسلام ولم يرى صورة نفسه فهذا كالظهور الذى يدعيه الصوفية الا انه بحجاب المرأة وليس من باب التخيل اه

اور سارے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمیں آج تک کسی صحابی اور کسی اہل بیت کے لئے رسول اللہ ﷺ کے ظہور فرمانے کی خبر نہیں پہنچی حالانکہ وہ اہل بیت اور صحابہ تھے اور انہیں حضور کے ظہور فرمانے کی حاجت بھی نہایت شدید تھی۔

اور وہ جو بعض شیعوں نے مسجد قبا کے دروازہ کے نزدیک حضور ﷺ کے ظاہر ہونے کو نقل کیا ہے، خالص بہتان اور افتراء محض ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ اور اہل بیت جیسے بزرگوں کے لئے حضور ﷺ کا ظاہر نہ ہونا اور ان کے بعد والوں کے لئے ظہور فرمانا اس قبیل سے ہے، جس کی ایسی توجیہہ ضروری ہے جس سے اہل فہم حضرات کو قناعت حاصل ہو جائے اور مجھے یہ بات کسی طرح زیب نہیں دیتی کہ میں یہ کہہ دوں کہ وہ تمام واقعات جو حضور ﷺ کے ظاہر و باہر تشریف لانے کے متعلق صوفیائے کرام سے منقول ہیں وہ نعوذ باللہ سب کے سب جھوٹ ہیں۔ ان کی کوئی اصل نہیں۔ یہ بات اس لئے زیب نہیں دیتی کہ ان واقعات کی حکایت اور دعویٰ کرنے والے اتنے کثیر اور جلیل القدر حضرات ہیں جن کے متعلق اس قسم کی سوءظنی کسی طرح ممکن نہیں اور اسی طرح مجھے یہ بات بھی گوارا نہیں کہ میں یہ کہہ دوں کہ جن حضرات نے رسول اللہ ﷺ کو ظاہر و باہر دیکھا شاید انہوں نے حضور کو خواب میں

دیکھا اور وقت کی قلت اور نیند کی خفت کی وجہ سے یہ گمان کرلیا کہ ہم نے بیداری میں حضور ﷺ کی زیارت کی ہے۔ یہ بات اس لئے گوارہ نہیں کہ یہ بہت ہی بعید ہے اور غالباً ان حضرات کا کلام بھی اس تاویل سے صاف انکار کرتا ہے۔

(اس اشکال کے حل میں) میری غایت گفتگو یہ ہے کہ یہ رؤیت جو صوفیاء کے لئے واقع ہوئی یہ معجزاتِ انبیاء اور کراماتِ اولیاء کی طرح خوارقِ عادت سے ہے اور خوارقِ عادت کا ظہور صدر اول یعنی صحابہ کرام کے زمانہ میں آفتاب رسالت کے قرب زمانہ کی وجہ سے بہت ہی قلیل تھا اور حقیقت یہ ہے کہ آفتاب شعاعوں میں ستارے کب نظر آسکتے ہیں اور جب آفتابِ عالمتاب کی شعاعیں میدانوں میں پھیلی ہوئی ہوں تو کوئی ستارہ کس طرح ظاہر ہوسکتا ہے۔ تو ممکن ہے کہ حضور ﷺ کا ظہور بعض صحابہ کرام کے لئے نادر طور پر واقع ہی نہ ہوا ہو اور بہ تقاضائے مصلحت اس کا اظہار نہ کیا گیا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ صحابہ کرام کی آزمائش کی حکمت یا خوف فتنہ کی وجہ سے حضور ﷺ کا ظہور واقعی نہ ہوا ہو یا جمالِ نبوت کا ظاہر نہ ہونا اس بناء پر ہو کہ اس وقت قوم میں ایسے لوگ موجود تھے جو نبی کریم ﷺ کے آئینے کی طرح تھے (جس سے انوارِ نبوت کی شعاعیں چمکتی تھیں) یا حضور ﷺ کے ظہور نہ فرمانے کی وجہ یہ ہو کہ لوگ اپنے مہمات کو حل کرنے کے لئے کتاب وسنت کی طرف متوجہ رہیں اور اجتہاد کا دروازہ فراخ ہو جائے اور شریعت مطہرہ پھیل جائے اور اس حجت شرعیہ کی عظمت قائم ہو جائے جسے ہر عقل مند سمجھ سکتا ہے (اگر نبی کریم ﷺ ہر موقع پر ظاہر ہو کر تمام امور میں خود ہی راہنمائی فرماتے رہتے تو امت مسلمہ کتاب وسنت کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوتی اور شریعت مطہرہ ہرگز نہ پھیلتی اور کتاب وسنت میں اجتہاد کی کوئی ضرورت نہ رہتی اور اس طرح تمام شریعت اسلامیہ اور دین متین بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتا) یا اس کے علاوہ اس قسم کی دوسری حکمتوں پر عدم ظہور مبنی ہے۔

اور بسا اوقات حضور ﷺ کے ظہور کا دعویٰ بھی کیا جا سکتا ہے یعنی کہا جا سکتا ہے کہ صدر اول میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام (مذکور حکمتوں کی بناء پر) اپنے ظہور میں بھی ایک گونہ پردہ پوشی کی شان میں رہے۔ جیسا کہ مروی ہے کہ کسی صحابی کے دل میں شوق پیدا ہوا کہ میں حضور ﷺ کا جمالِ جہاں آراء دیکھوں۔ وہ صحابی ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت ام المومنین نے اس صحابی کے سامنے حضور ﷺ کا آئینہ مبارک نکال کر رکھ دیا۔ اس صحابی نے جب اس آئینہ میں نظر کی تو اسے اپنی صورت بالکل نظر نہ آئی بلکہ اپنی شکل کی بجائے اس نے رسول کریم ﷺ کی مبارک صورت کو دیکھا۔ پس یہ رویت اسی ظہور کی طرح ہے جس کا صوفیائے کرام دعویٰ کرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ صوفیائے کرام کے لئے حضور ﷺ کا ظہور بالکل بے حجاب ہے اور یہ ظہور آئینہ کے پردہ میں ہے اور اس آئینہ کے ظہور کو محض خیالی صورت قرار دینا بالکل لغو ہے۔ جیسا کہ ابن خلدون نے گمان کیا ہے بلکہ یہ صورت مبارکہ جو صحابی نے آئینہ میں دیکھی حضور ﷺ کی اصلی صورتِ مبارکہ تھی۔

اب معترض کو واضح ہو گیا کہ یہ اعتراض اہل علم کی نگاہوں میں کیا وقعت رکھتا ہے۔ نیز حاضر و ناظر کے مسئلہ پر میں نے شیخ اجل حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول ان کے مکتوبات سے نقل کیا ہے کہ باوجود کثرتِ اختلافاتِ امت محمدیہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ) کے ایک فرد نے بھی اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کیا کہ نبی کریم ﷺ بغیر شائبہ مجاز اور بلا توہم تاویل حقیقت حیات کے ساتھ دائم و باقی اور اعمالِ امت پر حاضر و ناظر ہیں۔ اس قول پر اعتراض کرنے والے کی جرأت بھی قابل داد ہے کہ بقول حضرت شاہ صاحب حضور ﷺ کا امتی اس مسئلہ میں اختلاف نہیں کرسکتا۔ اب معترض کو اپنے امتی ہونے کی خیر منانی چاہئے۔

یہ صحیح ہے کہ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے تک حاضر و ناظر کے مسئلہ میں امت محمدیہ کے کسی ایک فرد نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ شاہ صاحب کے زمانے کے بعد کسی کا اختلاف شاہ صاحب کے قول کو باطل نہیں کر سکتا بلکہ اختلاف کرنے والے کے امتی ہونے کا بطلان کر سکتا ہے۔

اور یہ اعتراض کہ شاہ صاحب تو صرف امت کے اعمال پر حضور ﷺ کو حاضر و ناظر مان رہے ہیں اور آپ تمام کائنات پر حضور کو حاضر و ناظر سمجھتے ہیں تو اس کے جواب میں مخلصانہ گزارش ہے کہ اگر حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو آپ اپنے مسلم بزرگوں میں شمار کرتے ہیں تو صرف اتنا ہی مان لیں کہ حضور ﷺ اعمالِ امت پر حاضر و ناظر ہیں۔ صرف اتنے سے اقرار پر یہ مسئلہ طے ہو جاتا ہے۔

سنیئے کہ اگر امت کو امت اجابت اور امت دعوت دونوں کے لئے عام رکھا جائے اور ابتدا سے انتہا تک تمام کائنات کے احوال کو نگاہِ رسالت پر منکشف مانا جائے جیسا کہ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ خود تصریح فرما رہے ہیں تو اس میں کون سا استحالہ لازم آتا ہے؟ دیکھئے مدارج النبوۃ جلد ا میں ہے

"ہر چہ در دنیا است از زمانِ آدم تا نفخۂ اولیٰ بروے صلی اللہ علیہ وسلم
منکشف ساختند تا ہمہ احوالِ او را از اول تا آخر معلوم گردید"

یعنی آدم علیہ السلام کے زمانے سے نفخۂ اولیٰ تک جو کچھ دنیا میں ہے سب ہمارے نبی ﷺ پر منکشف فرما دیا۔ یہاں تک کہ اول سے آخر تک تمام احوال حضور ﷺ کو معلوم ہو گئے اور حضور ﷺ نے اپنے اصحاب کو ان میں سے بعض کی خبر دی۔

یہ مضمون حدیث طبرانی سے بھی نقل کیا جا چکا ہے۔ خود حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اِنَّ اللّٰہَ قَدْ رَفَعَ لِیَ الدُّنْیَا وَاَنَا اَنْظُرُ اِلَیْھَا وَاِلٰی مَاھُوَ کَائِنٌ فِیْھَا." (الحدیث) پھر اس پر بھی غور فرمائیں کہ یہی شاہ عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ

علیہ حقیقت محمدیہ کو ذراتِ کائنات میں جاری و ساری کر چکے ہیں۔ جیسا کہ اشعۃ اللمعات سے نقل ہو چکا ہے۔ الغرض دلائل شرعیہ اور خود حضرت شاہ عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصریحات اس امر پر شاہد ہیں کہ حضور ﷺ تمام احوالِ کائنات پر حاضر وناظر ہیں، وللہ الحمد!

اس مضمون کی مزید وضاحت کے لئے مدارج النبوۃ جلد۲ ص ۷۸۷ مطبوعہ نول کشور سے ایک اور عبارت نقل کرتا ہوں۔ ملاحظہ فرمایئے

"بدانکہ وے صلی اللہ علیہ وسلم می بیند ومی شنود کلام ترا زیرا کہ وے متصف است بصفات اللہ تعالیٰ و یکے از صفات الٰہی آن ست کہ اَنَـا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ مر پیغمبر را صلی اللہ علیہ وسلم نصیبِ وافر است ازیں صفت۔"

یعنی اے مخاطب! جاننا چاہئے کہ نبی کریم ﷺ تجھے دیکھتے ہیں اور تیرا کلام سنتے ہیں اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہیں اور صفاتِ الٰہیہ میں سے ایک صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حدیث قدسی میں فرماتا ہے کہ جو مجھے یاد کرے میں اس کا ہم نشیں ہوں اور حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی اس صفت سے پورا پورا حصہ ملا ہے۔ لہٰذا حضور بھی اپنے یاد کرنے والے کے ہم نشیں ہیں۔

اس کے بعد حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آخری وصیت بھی سن لیجئے۔ فرماتے ہیں

"وصیت می کنم ترا اے برادر بدوام ملاحظہ صورت ومعنی او اگرچہ باشی باو متکلف ومتحضر پس نزدیک است کہ الفت گیرد روحِ تو بوے پس حاضر آید ترا وے صلی اللہ علیہ وسلم عیاناً ویابی او را حدیث کنی باوے وجواب دہد ترا وے وحدیث گوید با تو وخطاب کند ترا، پس فائز شوی بدرجہ صحابہ

عظام ولاحق شوی بہ ایشاں انشاء اللہ تعالیٰ۔"

مطبوعہ نول کشور (مدرج النبوۃ جلد۲ ص ۷۸۹)

ترجمہ: اے بھائی میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ تو ہمیشہ حضور ﷺ کی صورت و معنی کا ملاحظہ یعنی تصور کرتا رہے اگرچہ اس تصور میں تجھے تکلف بھی کرنا پڑے۔ تیری روح بہت جلد حضور ﷺ سے مانوس ہو جائے گی اور حضور ﷺ تیرے سامنے ظاہر و باہر رونق افروز ہوں گے تو حضور کو پائے گا اور حضور سے باتیں کرے گا۔ حضور ﷺ تجھے جواب دیں گے اور تجھ سے گفتگو اور خطاب فرمائیں گے۔ پس تو صحابہ کرام کے درجہ پر فائز اور انشاء اللہ ان سے لاحق ہوگا۔

یعنی صحابیت کا ظاہر حکم نہیں بلکہ یہ درجہ تجھے نصیب ہوگا۔ سبحان اللہ! حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حاضر و ناظر کے مسئلے کو کس قدر واضح فرما دیا۔ وَلِلّٰہِ **الحجة الباهرہ۔**

حاضر و ناظر کے مسئلے پر یہ اعتراض کہ اگر حضور ﷺ کو تمام ذراتِ کائنات پر حاضر ناظر مانا جائے تو ہر ناپاک، نجس، گندی، خبیث، بری اور حرام چیزوں پر بھی حضور ﷺ حاضر و ناظر ہوں گے اور حقیقت محمدیہ کے جلوے ان میں بھی پائے جائیں گے۔ بتائیں کہ اس میں حضور ﷺ کی کیسی شدید توہین ہے۔

لوگ پیشاب پاخانہ کرتے ہیں، جنسی تقاضے پورے کرتے ہیں۔ ایسے شرمناک مواقع پر بھی آپ حضور کو حاضر و ناظر سمجھیں گے۔ طبقاتِ جہنم، کفار و مشرکین، شیاطین وغیرہ میں بھی حضور کی حقیقت کے جلوے ضرور ہوں گے۔ کیا کوئی مسلمان حضور ﷺ کے حق میں ایسا اعتقاد رکھ سکتا ہے۔ حضور کی تعظیم و توقیر کے مدعی غور کریں کہ یہ عقیدہ اس دعوے کے سراسر خلاف اور منافی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تمام قباحتیں اس وقت لازم آ سکتی تھیں جب کہ ہم حضور ﷺ کو بشریتِ مطہرہ کے ساتھ حاضر و ناظر تسلیم کرتے لیکن حضور ﷺ کو بشریت مقدسہ کے ساتھ ہرگز حاضر و ناظر تسلیم نہیں کرتے بلکہ حضور کی نورانیت و روحانیت اور حقیقت مبارکہ کے ساتھ حضور کو حاضر و ناظر مانتے ہیں۔

معترض نے بشریت اور حقیقت و نورانیت کو ایک سمجھ لیا ہے۔ یہ بنیادی غلطی ہے۔ عالم شہادت اور مادیات و جسمانیات کے ضمن میں نجاست و خباثت، معصیت و قباحت وغیرہ کے جو تصورات پیش کئے گئے ہیں اور ان کے خبیث و ناپاک اثرات کو حقیقت و نورانیت محمدیہ پر اثر انداز قرار دیا گیا ہے، بہت بڑی غلطی ہے۔ کیوں کہ مادی اور جسمانی کیفیات نورانی حقیقتوں پر اثر انداز نہیں ہوا کرتیں۔ آفتاب و ماہتاب کی شعاعیں بول براز پر پڑنے سے ناپاک نہیں ہو جایا کرتیں۔ خود آپ کی اپنی نگاہیں جب کسی نجاست پر پڑتی ہیں تو وہ ناپاک نہیں ہوتیں، ہزاروں مرتبہ آپ کی نظر ناپاک چیزوں پر پڑی ہوگی لیکن ایک دفعہ بھی آپ نے اپنی آنکھوں کو ناپاک قرار دے کر ان کو نہیں دھویا۔ جب آنکھوں کے نور اور آفتاب و ماہتاب کی نوری شعاعوں کو یہ نجاستیں ناپاک نہیں کر سکتیں تو انوارِ محمدی ﷺ کی شعاعوں پر یہ مادی نجاستیں کیونکر اثر انداز ہو سکتی ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ حقیقت محمدیہ کے جلوے ذراتِ کائنات میں جاری و ساری ہیں جیسا کہ متعدد کتب معتبرہ اور مسلم اکابر کی عبارات سے ظاہر ہے لیکن اس پر یہ شبہ وارد کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کہ خبیث اور ناپاک چیزیں حضور کے جلوؤں کو ناپاک کر دیں گی۔ حضور کے جلوؤں کو تو ذراتِ کائنات میں نہیں مانا جاتا لیکن جلوہ ہائے قدرت کو ہر فردِ عالم اور ذرۂ کائنات میں ضرور تسلیم کیا جاتا ہے اور قرآن کریم کی روشنی میں اس بات کو ضرور ماننا پڑے گا کہ کائنات کے ہر ذرہ میں قدرت خداوندی کے چمکتے

ہوئے نشانات پائے جاتے ہیں۔ کوئی چیز اچھی ہو یا بری، پاک ہو یا ناپاک، دنیا کی ہو یا آخرت کی، ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی صفت و خالقیت اور اس کی قدرت کے جلوے چمک رہے ہیں۔ ہر ذرہ اس کی قدرت کی دلیل اور ہر قطرہ اس کی حکمت کا نشان اور ہر تنکا اس کی وحدانیت کی آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝

ترجمہ: ”بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات دن کی آمدو رفت میں اور ان کشتیوں میں جو لوگوں کے فائدہ کی چیزیں (مالِ تجارت) لے کر سمندر میں چلتی ہیں اور بارش میں جسے اللہ تعالیٰ آسمانوں سے نازل کرتا ہے پھر اس کے ساتھ مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے اور ہر قسم کے جانور جو اللہ تعالیٰ نے زمین پر پھیلائے ہیں اور ہواؤں کے اِدھر اُدھر پھرنے میں اور ان بادلوں میں جو خدا کے حکم سے زمین و آسمان کے درمیان گھرے رہتے ہیں۔ ان سب چیزوں میں عقل رکھنے والوں کے لئے قدرتِ الٰہیہ کی بہت سی نشانیاں موجود ہیں۔“

یہ قرآنی بیان اس دعویٰ پر شاہد و عادل ہے کہ ہر ذرّہ کائنات میں اللہ کی قدرت کی نشانیوں اور اس کی حکمت کے جلوے موجود ہیں۔ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے شاید اسی آیہ کریمہ کے پیش نظر فرمایا ہے۔

برگ درختاں سبز در نظر ہوشیار!
ہر ورقے دفتر یست معرفت کردگار!

اب بتائیے! یہ تمام جلوہ ہائے قدرت نجس اور خبیث چیزوں کی ناپاکی اور خباثت سے متاثر ہو رہے ہیں اور یہ نجاست و خباثت جس کا تعلق محض ایک خاص تعین اور ظاہری صورت سے ہے اللہ تعالیٰ کی حکمت کے جلوؤں اور قدرت کی آیتوں کو نعوذ باللہ ناپاک کر رہی ہے۔ نہیں اور ہرگز نہیں! جب خدا کے جلوؤں کو یہ چیزیں ناپاک نہیں کر سکتیں تو مظہر خدا حضرت محمد ﷺ کے جلوؤں کو کس طرح ناپاک کر سکتی ہیں۔

جلوہ ہائے حقیقت محمدیہ کے ناپاک اور خبیث چیزوں میں پائے جانے کی وجہ سے اگر آپ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں حضور کی توہین ہے تو ذرا اس امر پر غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم کے پندرہویں پارے میں ارشاد فرماتا ہے۔ ”وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ“ اور تسبیح کے متعلق علمائے اعلام و مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ تسبیح حقیقی ہے۔ جیسا کہ مفردات امام راغب مطبوعہ مصر ص ۲۲۰ پر مرقوم ہے۔ ”فذلک یقتضی ان یکون تسبیحا علی الحقیقة“ یعنی دلائل و قرائن کا تقاضا یہ ہے کہ آیۂ کریمہ میں تسبیح حقیقت پر محمول ہو یعنی تسبیح قولی مراد لی جائے اور صرف امام راغب ہی نہیں بلکہ علامہ الوسی علیہ الرحمۃ تفسیر روح المعانی پارہ ۱۵ ص ۹۷ پر تسبیح قولی حقیقی پر احادیث و آثار کثیرہ نقل فرما کر لکھتے ہیں

> الیٰ مالا یکاد یحصی من الاخبار والأثار وهی بمجموعها متعاضدة فی الدلالة علیٰ ان التسبیح قال کما لا یخفیٰ وهو مذهب الصوفية

یعنی بے شمار احادیث اور آثار مجموعی قوت کے ساتھ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آیۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ جس تسبیح کا ذکر فرما رہا ہے وہ تسبیح قالی ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے اور یہی صوفیہ کا مذہب ہے۔

اس کے بعد ص ۸۰ پر فرماتے ہیں

ولعل الاولیٰ فیہ ان یلتزم التسبیح علی ماھو الاعم من الحالی والقالی ویثبت کلا النوعین لکل شیء

یعنی اولیٰ یہ ہے کہ یہاں تسبیح سے عام تسبیح مراد لی جائے جو حالی اور قالی دونوں کو شامل ہو اور دونوں قسم کی تسبیح ہر شے کے لئے ثابت کی جائے۔

ان عبارات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح ثابت ہے کہ عالم کا ہر ذرہ (خواہ وہ پاک ہو یا ناپاک، خبیث ہو یا طیب) حالی اور قالی تسبیح حقیقی میں مصروف ہے۔ اب صرف اتنی بات غور طلب ہے کہ یہ تسبیح ناپاک اور خبیث چیزوں میں پائے جانے کی وجہ سے کہیں ناپاک تو نہیں ہوگئی۔ اگر تسبیح خداوندی ہر ناپاک اور خبیث چیز میں پائی جاسکتی ہے تو جلوہ ہائے حقیقت محمدیہ کا پایا جانا کیوں قابل اعتراض ہے۔

نجاست جس قسم کی ہوتی ہے اسی قسم کی اشیاء میں اثر کرتی ہے۔ دیکھئے مشرکین نجس ہیں لیکن اگر کوئی مشرک اپنا صاف ستھرا ہاتھ پاک پانی میں ڈال دے تو وہ پانی ناپاک نہ ہوگا حالانکہ شرک ناپاک ہے۔ اس پانی کے ناپاک نہ ہونے کی وجہ صرف یہی ہے کہ پانی اس عالم اجسام کی قسم سے ہے اور مشرک کی نجاست محض اعتقادی ہے۔ امور اعتقادیہ عالم اجسام کی قسم سے نہیں، لہٰذا یہ نجاست پانی میں اپنا اثر نہیں کرسکتی بخلاف جسمانی نجاست کے کہ وہ اشیاء جسمانیہ کو متاثر کرے گی۔

رسول اللہ ﷺ کی حقیقت عالم امر بلکہ اس سے بھی بالاتر ہے اور یہ نجاست وخباثت کے آثار صورِ جسمانیہ سے متعلق ہیں جو عالم خلق کی چیز ہے۔ اب بتائیے کہ شرک کی اعتقادی نجاست پانی کو ناپاک نہیں کرسکتی تو یہ نجاستیں حضور کے نور کو کس طرح ناپاک کرسکتی ہیں۔ آفتاب و ماہتاب شعاع بصری اور چراغ کی روشنی رات دن نجس اور ناپاک چیزوں پر پڑتی ہے مگر ناپاک نہیں ہوتی۔ آپ اندازہ کیجئے

کہ جو نجاست مذکورہ روشنی اور اس کی شعاعوں کو ناپاک نہیں کر سکتی وہ حضور ﷺ کے نورانی جلوؤں کو کیونکر ناپاک کر سکے گی۔ جس طرح یہ نجاست اپنی ہی نوع کی چیزوں کو متاثر کر سکتی ہے، اسی طرح اس کا ازالہ بھی ایسی ہم جنس اشیاء سے ہو سکتا ہے۔

اعتقادی نجاست پانی سے دور نہیں ہو سکتی۔ خواہ وہ تمام دنیا کے سمندر مشرک کو پاک کرنے کے لئے صرف کر دیئے جائیں لیکن وہ پاک نہ ہوگا۔ اس کی پاکی کلمہ طیبہ کی تصدیق پر موقوف ہے۔ اگر وہ سچے دل سے ایک مرتبہ کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھ لے تو جو نجاست دنیا کے پانیوں سے دور نہیں ہو سکتی وہ ایک آن میں زائل ہو سکتی ہے۔ اب اگر کوئی بے وقوف اس کلمہ طیبہ کو جسمانی نجاست کے ازالہ کے لئے استعمال کرے اور ناپاک جسم یا نجس کپڑے پر کلمہ شریف پڑھ کر پھونکنا شروع کر دے اور یہ خیال کرے کہ یہ کلمہ تو ایسا ہے کہ سات سمندروں سے جو چیز پاک نہ ہو سکے وہ اس سے پاک ہو جاتی ہے۔ یہ ماشہ بھر نجاست اس کے سامنے کیا حقیقت رکھ سکتی ہے تو کیا اس بے وقوف کا خیال صحیح ہوگا؟ یقیناً نہیں، اس جسمانی نجاست کے ازالہ کے لئے بہر صورت اس کو پانی ہی استعمال کرنا پڑے گا جو اس عالم اجسام کی چیز ہے۔ معلوم ہوا کہ عالم شہادت کی نجاستیں اسی عالم شہادت کی اشیاء کو متاثر کر سکتی ہیں اور جو نجاستیں جسمانیت سے الگ ہیں ان کا اثر جسمانیات پر نہیں ہو سکتا۔ پاکی اور ناپاکی کے اس فلسفے کو ذہن میں رکھ کر اگر آپ حاضر و ناظر کے مسئلہ کو سوچیں تو کوئی الجھن آپ کے ذہن میں باقی نہ رہے۔

مزید وضاحت کے لئے عرض کر دوں کہ نجاست کا حکم حقیقت پر نہیں لگ سکتا۔ بول و براز کو کھاد کی صورت میں کھیتوں میں ڈالا جاتا ہے۔ اناج اور سبزیوں کے پودے انہیں اجزائے نجاست کو جڑوں کے راستے اپنے اندر جذب کرتے ہیں اور وہ تمام نجس اثرات اور ناپاک اجزاء ان پودوں میں جذب ہونے کے بعد اناج، سبزیوں

اور میوہ جات وغیرہ کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں، جن کو آپ بھی پاک سمجھ کر تناول فرماتے ہیں اور یہ کبھی خیال نہیں فرماتے کہ یہ وہی نجاستوں کے ڈھیر ہیں جن کو ایک نظر دیکھنا بھی مکروہ تھا۔ آج وہ دسترخوان کی زینت بن کر آپ کے حلقوم شریف کی راہوں سے گزر کر شکم اقدس میں رونق افروز ہیں۔ اگر آپ غور فرمائیں تو ان مسائل کے لئے آپ کو قرآن کی روشنی میں وہ تمام مواد ملے گا جس کو میں نے چند لفظوں میں پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ط

دیکھئے میں نے آفاق وانفس دونوں کی نشانیاں پیش کر کے آپ کو بتادیا کہ جلوہائے نور محمدی ﷺ ان ناپاکیوں کے اثرات سے متاثر نہیں ہو سکتے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ دنیا کی ناپاک اور خبیث چیزیں ہوں: جہنم کے طبقات ہوں یا کفار ومشرکین کی ذوات، اس بات کو ماننا پڑے گا کہ ان سب چیزوں میں خدا کی شانِ جلال وکمال اور اس کی صفت وقدرت کے کمال کے وہ نمونے پائے جاتے ہیں جو کھلی ہوئی آیات اور روشن نشانیاں ہیں جب ان خباثت ونجاست کے اثرات جلوہ ہائے جلال و جمالِ خداوندی پر اثر انداز نہیں ہو سکتے تو حقیقت محمدیہ کے جلوے بھی تو جمالِ خداوندی ہی کے جلوے ہیں، ان کو یہ چیزیں کیسے متاثر کر سکتی ہیں؟

آیہ کریمہ "لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ" سے حاضر و ناظر کے مسئلہ پر اعتراض کرنا بھی عجیب مضحکہ خیز بات ہے۔ مسلمان کا ایک بچہ بھی اس حقیقت کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ بلند آواز سے بولنے میں اگر حضور سید عالم ﷺ کے تکلیف پانے یا سرکار کی بے ادبی کا کوئی تصور نہ ہو سکتا تو وہ رفع صوت اس نہی قرآنی کے تحت نہیں آتا۔

حضور ﷺ کی حیاتِ ظاہری میں حضور کے سامنے ایسا رفع صوت حدیث (۱) میں وارد ہے جو حضور ﷺ کی تاذی (تکلیف پانے) اور بے ادبی کے شائبہ سے پاک تھا۔ جب حیاتِ ظاہری میں اس قسم کا رفع صوت ناجائز نہیں تو بعد الوفات کس طرح ناجائز ہوگا۔ یاد رکھئے جب تک حضور ﷺ کی تاذی (تکلیف پانے) یا استہانت (بے ادبی ہونے) کا تخیل نہ رہے، اس وقت تک حضور ﷺ کے سامنے رفع صوت ہرگز ناجائز نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر کوئی چیز اس تاذی یا استہانت کے تخیل کا موجب ہو سکے تو ایسی صورت میں رفع صوت ناجائز ہوگا۔ مثلاً روضۂ اطہر حضور ﷺ کے قریب ہونا، اس کے بعد دوسرے درجے میں حدیث شریف کی قرأت کا موقعہ یا پھر اس سے بھی نیچے مرتبے میں عالم دین کی موجودگی کا ہونا رفعِ صوت کے ناجائز ہونے کا سبب قرار پائے گا۔ کیوں کہ یہ تمام مواقع ایسے ہیں کہ جن میں حضور ﷺ کے تکلیف پانے یا حضور ﷺ کی بے ادبی ہونے کا تخیل ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ جہاں اس تخیل کا امکان نہ ہو وہاں بھی رفعِ صوت کو ناجائز کہنا دلائل شرعیہ کے خلاف ہے۔ ملاحظہ فرمایئے بخاری و مسلم کی متفق علیہ حدیث میں ہے کہ جب آیۂ کریمہ "لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ" نازل ہوئی تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ، جن کی آواز بہت بلند تھی، گھر میں بیٹھ رہے۔ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ بارگاہِ رسالت میں کیوں حاضر نہیں ہوتے تو انہوں نے کہا (۲) "وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ اَنِّیْ اَرْفَعُکُمْ صَوْتًا عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَنَا مِنْ اَھْلِ النَّارِ" "تم جانتے ہو کہ میں تم سب میں زیادہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز پر بلند آواز کرنے والا ہوں۔ اس لئے (آیۂ کریمہ کی رو سے) میں اہل نار سے

---

(۱) جیسا کہ بخاری جلد ۱ ص ۹۹، باب من اسمع الناس اھ میں ہے

(۲) روح المعانی پ ۲۶، ص ۱۳۷، مطبوعہ انڈیا یو پی

ہوں۔" حضور سید عالم ﷺ نے اس کے جواب میں ان کے حق میں ارشاد فرمایا "بَلُ هُوَ مِنُ اَهُلِ الُجَنَّةِ" وہ اہل نار سے نہیں بلکہ اہل جنت سے ہیں۔ دیکھئے حضور ﷺ کی حیات ظاہری میں حضرت ثابت بن قیس کا رفعِ صوت ناجائز قرار نہ پایا۔ محض اس لئے کہ وہ تخیل تاذی واستہانت سے پاک تھا۔

اور سنیئے روح المعانی پ ۲۶ ص ۱۲۴ پر ہے

ثم ان من الجهر مالم يتنا وله النهی بالاتفاق وهو ما كان منهم فی حرب او مجادلة معاندا و ارحاب عدو او ما اشبه ذلك مما منه تاذأ وا استهانة ففی الحديث انه عليه الصلوٰة والسلام قال للعباس بن عبدالمطلب لما ولی المسلمون يوم حنين ناد اصحاب السمرة فنادی باعلیٰ صوته اين اصحاب السمرة وكان رجلا صيتا يروی ان غارة اتتهم يوما فصاح العباس يا صباحاه فاسقطت الحوامل لشدة صوته

ترجمہ: پھر جہر (بلند آوازی) کی بعض وہ صورتیں ہیں جن کو نہی قرآنی بالاتفاق شامل نہیں اور وہ وہ صورتیں ہیں جن میں حضور ﷺ کے تکلیف پانے یا حضور ﷺ کی بے ادبی ہونے کا خیال تک پیدا نہ ہو سکے۔ مثلاً لڑائی یا مجادلہ یا دشمن کے ڈرانے وغیرہ کے مواقع پر (حضور ﷺ کی موجودگی میں) آواز بلند کی جائے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب غزوۂ حنین کے دن مسلمان میدان جہاد سے چلے گئے تو حضور ﷺ نے حضرت عباس بن عبدالمطلب سے فرمایا کہ اصحاب سمرہ یعنی بیعت الرضوان کو آواز دو تو حضرت عباس نے بڑی اونچی آواز سے فرمایا

کہاں ہیں اصحابِ سمرہ؟ اور حضرت عباس بڑے بلند آواز تھے۔ مروی ہے کہ "ایک دن کچھ لٹیرے آ پڑے تو حضرت عباس نے "یا صباحاہ" کہہ کر پکارا تو ان کی شدتِ آواز کی وجہ سے حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو گئے۔"

روح المعانی کی بعینہٖ یہی عبارت مولوی شبیر احمد صاحب دیوبندی نے فتح الملہم جلد اول ص ۲۷۰ پر نقل کر کے ہمارے اس جواب پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔ وللہ الحمد!

ایک آیت سورۂ آل عمران کی دو اور آیتیں سورۂ قصص کی معارضے میں پیش کی جاتی ہیں، جن کا ماحصل ایک ہی ہے کہ آپ حضرت مریم کی کفالت کے لئے قرعہ اندازی کرنے والوں کے پاس نہ تھے، جب کہ وہ اپنے قلم ڈالتے تھے اور آپ اہل مدین میں مقیم نہ تھے اور جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو آواز دی تو آپ کوہِ طور کی جانب میں نہ تھے۔ ایک یہ آیت بھی پیش کی جاتی ہے

> وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَا اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ (قصص)

ترجمہ: جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی رسالت فرمائی تو آپ جانب غربی میں نہ تھے اور آپ شاہدین میں سے نہ تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ معترض کو یہ سب الجھنیں اس لئے پیش آتی ہیں کہ وہ حاضر و ناظر کے مسئلہ میں اہل حق کے مسلک کو نہیں سمجھ سکا۔ ان آیات کا کوئی لفظ بھی حضور ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کے مسئلے کا معارض نہیں، اہل سنت کا دعویٰ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی روحانیت و نورانیت کے ساتھ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور آیاتِ قرآنیہ کا مفاد یہ ہے کہ اے محمد ﷺ آپ اپنی جسمانیت کے ساتھ ان

مقامات پر موجود نہ تھے۔ اب آپ ہی بتائیں کہ جسمانی طور پر موجود نہ ہونا روحانی طور پر موجود نہ ہونے کے کس طرح معارض ہو سکتا ہے۔ آپ کی پیش کردہ آیات کی جو توجیہہ میں نے کی ہے، اس پر علامہ صاوی آپ کی پیش کردہ سورۂ قصص کی آیات کے تحت ارقام فرماتے ہیں

> **وهذا بالنظر للعالم الجسمانی لاقامة الحجة علی الخصم واما بالنظر للعالم الروحانی فهو حاضر رسالة کل رسول وما وقع له من لدن اٰدم الیٰ ان ظهر بجسمه الشریف ولکن لا یخاطب به اهل العناد**

خلاصہ یہ ہے کہ ارسالِ رسل اور ان کے زمانہ رسالت کے واقعات پر محمد ﷺ کا حاضر وناظر وموجود نہ ہونا عالم جسمانی کے اعتبار سے ہے یعنی ان واقعات پر نبی کریم ﷺ کا جسمانی حضور نہ تھا اور اگر عالم روحانی کے اعتبار سے نظر کی جائے تو حضور ﷺ آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر اپنے زمانہ تک ہر رسول کی رسالت اور تمام واقعات پر حاضر ہیں۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ نے اپنی جسمانیت مطہرہ کے ساتھ ظہور فرمایا لیکن یہ ایسی باتیں ہیں جس کے ساتھ اہل عناد کو خطاب نہیں کیا جا سکتا۔

سبحان اللہ! اس عبارت نے معترض کے استدلال کو ھباءً منثوراً کر دیا اور اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ دلائل شرعیہ یا عبارات کتب معتبرہ میں جہاں بھی اس قسم کا مضمون وارد ہے اس کے یہی معنیٰ متعین ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے جلوے روحانی طور پر عالم کے ہر ذرے میں چمک رہے ہیں۔

؎

آنکھ والا تیرے جلوے کا تماشہ دیکھے

دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

معترض کے استدلال بالقرآن کی حقیقت واضح ہو چکی۔ اب اس کے استدلال بالحدیث کا جواب عرض ہے۔ معترض حاضر و ناظر کے عقیدے کے خلاف حدیث معراج سے بھی معارضہ کرتا ہے لیکن یہ بھی درحقیقت ایک مغالطہ ہے اور اس کی وجہ بھی ہمارے مسلک کو صحیح طور پر نہ سمجھنا ہے۔ معراج جسمانیہ میں لفظ جسمانی ہی میں اعتراض موجود ہے۔ جب معراج جسمانی ہوئی تو آنا جانا بھی جسم اقدس ہی سے متعلق ہوا۔ جہاں سے حضور چلے وہاں سے حضور کی جسمانیت منتقل ہوئی اور جہاں پہنچے وہاں جسمانیت پہنچی۔ جہاں سے آئے جسمانیت وہاں سے روانہ ہوئی۔ اس ضمن میں جو جگہ حضور سے خالی ہوئی وہ حضور کی نورانیت اور روحانیت سے نہیں بلکہ حضور کی بشریت اور جسمانیت سے خالی ہوئی۔ جب ہم جسمانیت اور بشریت کے ساتھ حضور کے حاضر و ناظر ہونے کے قائل نہیں تو حدیث معراج ہمارے دعویٰ کے کس طرح معارض ہو سکتی ہے!

اب صرف ایک اعتراض باقی رہ گیا ہے اور وہ بھی اس سلسلے کی ایک اور کڑی ہے یعنی یہ کہ اگر حضور ﷺ حاضر و ناظر ہیں تو ’’مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ‘‘ کے کیا معنی ہوں گے اور مدینہ جانے کی کیا ضرورت باقی رہے گی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قبر شریف میں حضور ﷺ اپنی بشریت مطہرہ کے ساتھ رونق افروز ہیں اور ظاہر ہے کہ بشریت ایک محدود چیز ہے۔ اگرچہ رسول اللہ ﷺ کی روحانیت اور نورانیت تمام عالم میں موجود ہے لیکن جب تک اس کی صحیح معرفت کے بعد قرب روحانی حاصل نہ ہو اس وقت تک کوئی شخص اس روحانیت مقدسہ کے حاضر و موجود ہونے سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اہل کمال کو تو ہر وقت حضور کا قرب نصیب ہے لیکن وہ گنہگارانِ امت جو بشریت کی حدود سے متجاوز ہو کر عالم روحانیت تک نہیں پہنچے ان

کے لئے اگر قبر شریف کا سہارا نہ ہو تو ان کے لئے پناہ کی کون سی جگہ ہے؟ قید بشریت والوں کے لئے ان کی بشریت مطہرہ جائے پناہ ہے اور اہل روحانیت کے لئے ان کی روح اقدس ملجا وماویٰ ہے۔ مختصر یہ کہ حدیث "مَنْ زَارَ قَبْرِیْ" میں دور افتادوں کے لئے مژدہ شفاعت ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ میں اپنی جسمانیت مقدسہ کے ساتھ قبر انور میں زندہ رونق افروز ہوں۔ جس طرح میری حیات ظاہری میں میری بارگاہ میں حاضر ہونے والا کبھی محروم نہیں ہوا، بالکل اسی طرح بعد الوصال بھی میرا فیض جاری ہے۔ یہ کس لفظ کا ترجمہ ہے کہ میں حاضر و ناظر نہیں۔ بشریت مقدسہ کے ایک جگہ رونق افروز ہونے سے حاضر و ناظر کے مسئلہ پر کس طرح زد پڑ سکتی ہے۔ جسمانیت مطہرہ حیات حقیقیہ کے ساتھ قبر انور میں جلوہ گر ہے اور روحانیت و نورانیت تمام اکوان عالم میں موجود ہے۔

کالشمس فی کبد السماء وضوئها
یغشی البلاد مشارقا و مغاربا

جس طرح سورج کے آسمان پر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ زمین پر اس کی روشنی نہ ہو اسی طرح قبر انور میں جسمانیت شریفہ کے پائے جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ آفاق عالم میں شمس رسالت کے انوار نہ ہوں۔ سورج آسمان پر ہی ہوتا ہے مگر اس کی شعاعیں ہر خطے کو روشن کرتی ہیں۔ حضور ﷺ قبۂ خضریٰ ہی میں ہیں لیکن اپنے انوار سے زمین و آسمان کو منور فرما رہے ہیں۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ